خلاصہ قرآن کریم

﴿پارہ نمبر ۱ ''الم''﴾	2
﴿پارہ نمبر ۲ ''سیقول''﴾	2
﴿پارہ نمبر ۳ ''تلک الرسول''﴾	3
﴿پارہ نمبر ۴ ''لن تنالو''﴾	3
﴿پارہ نمبر ۵ ''والمحصنت''﴾	3
﴿پارہ نمبر ۶ ''لا یحب اللّٰہ''﴾	4
﴿پارہ نمبر ۷ ''واذسمعوا''﴾	4
﴿پارہ نمبر ۸ ''ولواننا''﴾	5
﴿پارہ نمبر ۹ ''قال الملا''﴾	5
﴿پارہ نمبر ۱۰ ''واعلموا''﴾	5
﴿پارہ نمبر ۱۱ ''یعتذرون''﴾	5
﴿پارہ نمبر ۱۲ ''وما من دابة''﴾	5

5	﴿پارہ نمبر ۱۳ ''وما ابری''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۱۴ ''ربما''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۱۵ ''سبحن الذی''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۱۶ ''قال الم''﴾
6	﴿پارہ نمبر ۱۷ ''اقترب للناس''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۱۸ ''قد افلح''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۱۹ ''وقال الذین''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۲۰ ''امن خلق''﴾
6	﴿پارہ نمبر ۲۱ ''اتل ما اوحی''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۲۲ ''ومن یقنت''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۲۳ ''ومالی''﴾
5	﴿پارہ نمبر ۲۴ ''فمن اظلم''﴾

5	﴿پارہ نمبر ۲۵ ”الیہ یرد“﴾
6	﴿پارہ نمبر ۲۶ ”حم“﴾
7	﴿پارہ نمبر ۲۷ ”قال فما خطبکم“﴾
8	﴿پارہ نمبر ۲۸ ”قد سمع اللّٰہ“﴾
8	﴿پارہ نمبر ۲۹ ”تبرك الذی“﴾
14	﴿پارہ نمبر ۳۰ ”عم“﴾

﴿پہلے پارہ کے اہم مضامین﴾

پہلا پارہ سورۂ فاتحہ مکمل اور سورۂ بقرہ کے کچھ حصہ پر مشتمل ہے، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس پر بھی کہ یہ بالکل ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی، یہ سورت سات آیات پر مشتمل ہے۔ سورۂ فاتحہ حمد باری تعالیٰ ہے، اس سورۃ کی حیثیت قرآن کے دیباچہ کی بھی ہے اور خلاصہ کی بھی ہے، قرآن کریم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اس میں اختصار کے ساتھ آ گیا ہے، کیونکہ قرآن کے بنیادی مضامین تین ہیں: توحید، قیامت اور رسالت۔ اس سورۃ کی ابتدائی دو آیتوں اور چوتھی آیت میں توحید کا مضمون ہے، تیسری آیت میں قیامت کا ذکر ہے اور پانچویں اور چھٹی آیت میں نبوت اور رسالت کی طرف اشارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ایک بے مثال دعا، معارف کا بیش بہا خزانہ اور قرآنی علوم کا ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ایک سو تیرہ سورتوں کی جھلک ہم مختصر وقت میں دیکھ سکتے ہیں، شاید یہ جھلک بار بار دکھانے ہی کے لئے سورۂ فاتحہ کو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ قرآن کریم کی سب سے لمبی سورت ہے جو کہ دو سو چھیاسی آیات پر مشتمل ہے، سورۂ بقرہ کا اکثر حصہ، ہجرتِ مدینہ کے بعد بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوا، عربی زبان میں بقرہ ''گائے'' کو کہتے ہیں چونکہ اس سورت میں بقرہ کا لفظ بھی آیا ہے اور گائے کو ذبح کرنے کا واقعہ بھی مذکور ہے اسی لئے اسے ''سورۃ البقرہ'' کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک مالدار شخص کو اس کے بھتیجے نے وراثت ہتھیانے کی غرض سے قتل کر دیا پھر رات کی تاریکی میں نعش اٹھا کر کسی دوسرے کے دروازے پر ڈال دی اور اس پر قتل کا دعویٰ کر دیا، قریب تھا کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کے خاندان ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھا لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں گائے ذبح کرنے اور اس کے گوشت کا کچھ حصہ اس مقتول کے جسم کے ساتھ لگانے کا حکم دیا، ایسا کرنے سے مقتول زندہ ہو کر اٹھ بیٹھا اور اس نے اپنے قاتل کی نشاندہی کر دی، اتفاق سے انہی دنوں بنی اسرائیل کا ایک گروہ مرنے کے بعد کی زندگی کا بھی انکار کر رہا تھا، مقتول کے زندہ ہونے سے نہ صرف یہ کہ قاتل کی نشاندہی ہوگئی بلکہ بعث بعد الموت پر ایک حجت بھی قائم ہوگئی، علاوہ ازیں مصریوں کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے دل میں گائے کی جو محبت وعقیدت رچ بس گئی تھی، اس کی تردید او رتوہین بھی گائے ذبح کرنے کا حکم دے کر کر دی گئی۔

اس واقعہ کے علاوہ پہلے پارہ میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کلام اللہ کی صداقت اور حقانیت۔ یہ وہ کلام ہے جس کے اللہ کا کلام ہونے میں اور اسی کے بیان کردہ سارے مضامین کے مبنی بر حقیقت ہونے پر کوئی شک نہیں۔

۲۔ انسانوں کی تین قسمیں ہیں: مومن، کافر اور منافق۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا تذکرہ چار آیات میں، کافروں کا دو آیات میں اور منافقوں کا تیرہ آیات میں فرمایا ہے، ان تیرہ آیات میں منافقوں کے بارہ اوصاف بیان کئے

گئے ہیں، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان اوصافِ بد سے اپنا دامن بچا کر رکھیں، یہ اوصاف اور علامات درج ذیل ہیں:

جھوٹ، دھوکہ، عدم شعور، قلبی بیماریاں، مکر، سفاہت، احکامِ الٰہی کا استہزاء، زمین میں فتنہ وفساد، جہالت، ضلالت، تذبذب اور اہلِ ایمان سے تمسخر۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی ارضی خلافت جس کی وجہ سے وہ اس امر کے پابند ہیں کہ زمین پر اللہ کے حکموں کو نافذ کریں اور دنیا کا نظام ویسے چلائیں جیسے اللہ چاہتا ہے۔

۴۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل یعنی یہود کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، اس تذکرہ میں سب سے پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے شمار ظاہری اور باطنی، دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں، مثلاً ان کے اندر کثرت سے انبیاء پیدا فرمائے، دنیاوی خوشحالی عطا کی، عقیدۂ توحید اور ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا، فرعون کے مظالم سے نجات دی، مصر سے بھاگے اور فرعون نے ان کا تعاقب کیا تو سمندر میں راستے بنا دیئے، وہ بے سروسامانی کے عالم میں تھے۔ ان کے کھانے کے لئے من وسلویٰ کا انتظام کیا، صحرائے سینا میں بادل کا سایہ مہیا فرمایا، پتھر سے بارہ چشمے جاری کر دیئے۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا اور بتدریج کفرانِ نعمت کی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے حق کو چھپایا، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا، بچھڑے کو معبود بنایا، دشتِ سینا میں بے صبری اور حرص وطمع کا مظاہرہ کیا، اریحا شہر میں متکبرانہ انداز میں داخل ہوئے، جبکہ انہیں عاجزی کا حکم دیا گیا، انہوں نے متعدد انبیاء کو ناحق قتل کیا، بار بار بدعہدی کے مرتکب ہوئے، ان کے دل سخت ہوگئے تھے، انہوں نے کلام اللہ میں لفظی اور معنوی تحریف کی، شریعت کے بعض احکام پر وہ ایمان لائے اور بعض کا انکار کرتے رہے، وہ بغض اور حسد کی بیماری میں مبتلا ہوگئے، وہ مادی زندگی سے مبالغے کی حد تک محبت کرتے تھے، مقرب فرشتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے، سحر وکہانت میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے، بدعملی کے باوجود جنت کے واحد ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے (سوچنے اور عبرت ونصیحت کی بات یہ ہے کہ ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی ہم مسلمانوں میں تو نہیں پائی جاتی؟) یہود پر انعامات اور ان کے جرائم بیان کرنے کے بعد تذکرہ ہے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا، تعمیرِ کعبہ اور تحویلِ قبلہ کا.........

﴿دوسرے پارہ کے اہم مضامین﴾

''ماہِ رمضان، ماہِ نزولِ قرآن ہے، روزے بھی رکھیئے! اور اپنی زبانوں کو تلاوت سے، کانوں کو سماعت سے اور دلوں کو قرآنِ کریم کے معانی اور مطالب میں غور و تدبّر سے معطّر اور منوّر بھی کیجئے! وہ خوش نصیب انسان جو بندوں کے نام، اللہ کے پیغام اور کلام کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے ہر روز نمازِ تراویح میں پڑھے جانے والے ایک پارہ کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔ کیا عجب کہ یہ خلاصہ انہیں تفصیل کے ساتھ قرآن کریم کے مطالعہ اور اس کے مشمولات پر عمل پر آمادہ کردے۔''

دوسرے پارہ کی ابتداء ہوتی ہے تحویلِ قبلہ کے ذکر سے ...... اصل میں مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن آپ کی دلی آرزو یہ تھی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا جائے جو کہ ملّتِ ابراہیمی کا ایک حسّی اور ظاہری شعار تھا، آپ کی دلی آرزو کی تکمیل یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرمادیا ...... تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد مشرکوں، یہودیوں اور منافقوں نے بے بنیاد اعتراضات اٹھانے شروع کردیئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراضات کے مسکت جوابات بھی دیئے ہیں اور مسلمانوں کو تسلی بھی دی ہے، تحویلِ قبلہ کے علاوہ دوسرے پارہ میں معاشی، معاشرتی، تجارتی اور ازدواجی زندگی سے تعلق رکھنے والے متعدد احکام و مسائل بیان فرمائے ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ پر دو بت رکھے ہوئے تھے جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے، اس لئے اسلام قبول کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفا مروہ کا طواف کرنے سے بچتے تھے، اس لئے فرمایا گیا کہ ان کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ درج ذیل چیزیں کھانا حرام ہے: مردار کا گوشت، بہتا ہوا خون، لحمِ خنزیر اور غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا جانور۔

۳۔ تحویلِ قبلہ کی بحث میں الجھنے والوں کو بتایا گیا کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرو، اصل نیکی تو ان لوگوں کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں اور انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کی مالی مدد کرتے ہیں، قیدیوں اور غلاموں کو آزاد کرواتے ہیں، نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے ہیں، جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، تنگی اور تکلیف میں صبر کرتے ہیں۔

۴۔ ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزے فرض ہیں، البتہ مسافروں اور بیماروں کو روزہ چھوڑنے اور قضاء کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

۵۔ قتل کی صورت میں قاتل سے قصاص لیا جائے گا البتہ اگر اس کے ورثہ معاف کردیں یا دیّت لینے پر راضی ہو

جائیں تو یہ بھی جائز بلکہ اولیٰ ہے۔
۶۔کسی بھی باطل اور ناجائز طریقے سے مال کمانا جائز نہیں خواہ وہ جوا ہو یا غصب یا رشوت یا خرید وفروخت کے ناجائز طریقے۔
۷۔دینی اور دنیوی معاملات میں قمری تاریخوں کو رواج دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔
۸۔مسلمانوں پر جہاد وقتال فرض ہے، ظاہر ہے جہاد میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جان بھی داؤ پر لگانا پڑتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں دین اور دنیا کی خیر اور عزت وسرفرازی رکھی ہے۔
۹۔حج کا احرام چند مخصوص مہینوں میں باندھا جاتا ہے، البتہ عمرہ پورے سال میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے، حج کے دنوں میں تجارت اور خرید وفروخت جائز ہے، زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے حج میں بہت ساری رسوم اور بدعات کا اضافہ کرلیا تھا، جن میں سے ایک یہ تھی کہ قریش مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے اور میدانِ عرفات میں جانا اپنی توہین سمجھتے تھے، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ بھی عام لوگوں کی طرح عرفات جا کر واپس آئیں اور اپنے لئے کوئی الگ تشخص ثابت نہ کریں، یونہی مشرکین منیٰ میں جمع ہو کر آباء واجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے، انہیں کہا گیا کہ وہ آباء کے بجائے اللہ کا ذکر کیا کریں۔
۱۰۔انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ اہمیت اس بات کو حاصل نہیں کہ کیا خرچ کیا جاتا ہے، اصل اہمیت اس امر کو حاصل ہے کہ کہاں خرچ کیا جاتا ہے (اور کس نیت سے خرچ کیا جاتا ہے) لہٰذا اللہ کے دیئے ہوئے جان و مال کو صحیح مصرف پر خرچ کرنا ضروری ہے۔
۱۱۔جو شخص مرتد ہو جائے اس کے سارے عمل باطل ہو جاتے ہیں اور وہ جہنم کا حقدار ہو جاتا ہے (اور دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ اگر وہ سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اسے قتل کر دیا جائے گا)
۱۲۔شراب اور جوا میں اگرچہ ظاہری منافع ہیں لیکن ان میں جو نقصانات ہیں وہ منافع کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں، اس لئے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان سے بچ کر رہے۔
۱۳۔مشرک مردوں اور عورتوں سے کسی صورت بھی نکاح جائز نہیں، البتہ اہل کتاب عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح ہو سکتا ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ کتابیہ کے ساتھ نکاح کی بجائے کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کیا جائے۔
۱۴۔حالتِ حیض میں بیوی کے ساتھ جماع جائز نہیں۔
۱۵۔اگر کسی شخص نے قسم اٹھالی کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا تو چار ماہ گزرنے پر خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی البتہ اگر اس نے رجوع کرلیا تو نکاح باقی رہے گا لیکن قسم کا کفارہ شوہر پر لازم ہوگا۔
۱۶۔دوسرے پارہ میں طلاق، عدت اور رضاعت کے مسائل جتنی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اتنی تفصیل کے ساتھ کسی دوسرے پارہ میں بیان نہیں کیے گئے۔

پارہ:۳

کے اہم مضامین

تیسرے پارہ کے نصفِ اوّل میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور آداب ...... جن کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں عمدہ مال خرچ کرنا چاہئے اور یہ کہ جس غریب اور مسکین پر خرچ کیا جائے اسے تکلیف دینے اور احسان جتلانے سے صدقہ خیرات باطل ہو جاتا ہے، یونہی ریا اور دکھاوے کی وجہ سے بھی صدقہ ضائع ہوتا ہے۔ ریاکار شخص کے ہاتھ میں قیامت کے دن حسرت اور ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں آئے گا۔

۲۔ ربوٰ کی قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے، خواہ وہ عرفی قرض پر لیا جائے یا تجارتی قرض پر، سود کی حرمت کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سود خور قیامت کے دن اٹھیں گے تو ان سے آسیب زدہ شخص جیسی حرکات صادر ہوں گی ...... دنیا میں بھی ان کا حال خبطیوں جیسا ہوتا ہے۔

☆ سود کھانے کی وجہ سے عقل ماؤف ہو جاتی ہے یہاں تک کہ سود کھانے والا انسان قطعی حرام کو بھی تاویلوں سے حلال بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ سود کے پیسے میں برکت نہیں ہوتی اور اس سے بہت ساری اخلاقی، نفسیاتی، اعصابی اور موروثی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

☆ سود سے باز نہ آنے والوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ ہے، اس جنگ سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ سود کے لین دین سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی جائے۔

☆ جتنی سخت وعید سود خوروں کے لئے ہے ایسی وعید کسی بھی دوسرے گناہ پر قرآن کریم میں مذکور نہیں۔

۳۔ صدقہ وخیرات کے فضائل وآداب اور سود کی حرمت اور اس کے نقصانات بیان کرنے کے بعد مالی معاملات کو درست رکھنے اور تجارت میں ان اسباب سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جن کی وجہ سے باہمی تنازعات پیدا ہوتے ہیں ،اس بارے میں ہدایات کے لئے جو آیتِ کریمہ آئی ہے وہ قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مال و دولت فی ذاتہ اللہ کی نظر میں کوئی قابلِ نفرت چیز نہیں اور یہ کہ اسلام، مالی معاملات، قرض کے لین دین اور خرید وفروخت میں صفائی کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، اس سلسلہ میں جو بنیادی ہدایت دی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام اہم معاملات میں تحریری دستاویز تیار کر لینی چاہئیں اور یہ کہ جب ادھار کا معاملہ ہو تو بالکل واضح طور پر اس کی میعاد مقرر کر لی جائے۔

سورہ بقرہ کے اختتام پر مسلمانوں کو ایک جامع دعا سکھائی گئی ہے کہ وہ بارگاہِ باری تعالیٰ میں یوں درخواست کیا کریں کہ اے اللہ! گر احکام کی تعمیل میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا ...... جب مسلمان، احکامِ الٰہیہ پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہیں گے اور اللہ

تعالیٰ سے دعا اور التجا کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ یہود جیسے انجام بد سے بچے رہیں گے۔

تیسرے پارہ کے آٹھ رکوع تو سورۂ بقرہ پر مشتمل تھے، اب نویں رکوع سے سورۂ آلِ عمران کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، اس میں بیس رکوع اور دوسو آیات ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت عمران علیہ السلام کے خاندان کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام ''آلِ عمران'' رکھ دیا گیا، اس سورت کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو روشن سورتیں یعنی بقرہ اور آلِ عمران پڑھا کرو۔'' ان دونوں سورتوں کے مضامین میں حد درجہ مناسبت پائی جاتی ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو سورتوں کو ''زھراوین'' (روشن چیزیں یا شمس وقمر) قرار دینا بھی ان کے درمیان مناسبت کو ظاہر کرتا ہے مگر سورۂ بقرہ میں زیادہ تر روئے سخن یہود کی طرف ہے اور آلِ عمران میں اصل خطاب نصاریٰ سے ہے۔ دونوں سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات میں سے ''الم'' اور قرآن کریم کی حقانیت بیان کرنے کے ساتھ ہوا اور دونوں کے اختتام پر جامع قسم کی دعائیں منقول ہیں۔

اس سورت کی تقریباً اسی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وفد میں نصاریٰ کے ساٹھ معتمد افراد شامل تھے۔ وفد کے شرکاء نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مباحثہ کیا اور انہیں معاذ اللہ! اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں ان آیات سے استدلال کیا جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ قرار دیا گیا، ان کے اس غلط استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کے کلام میں دو قسم کی آیات ہیں: بعض آیات وہ ہیں جو اپنی مراد پر دلالت کرنے میں بالکل واضح ہیں، ایسی آیات کو محکمات کہا جاتا ہے اور قرآن کریم کا غالب حصہ محکمات پر ہی مشتمل ہے اور دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن کی حقیقی اور یقینی مراد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں یا جن میں کسی بھی وجہ سے اشتباہ پایا جاتا ہے...... ایسی آیات کو متشابہات کہا جاتا ہے، جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں وہ ہمیشہ محکمات کی پیروی کرتے اور جن کے دل میں کجی اور دماغ میں فتور ہوتا ہے وہ ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں...... کلمۃ اللہ اور روح اللہ ایسے الفاظ، متشابہات کی قسم میں سے ہیں، ان متشابہات کی بنیاد پر اپنے شرکیہ عقائد کی عمارت کھڑی کرنا، پانی پر نقش بنانے کے سوا کچھ نہیں، عیسائیوں کے غلط عقائد اور نظریات کی تردید ہی کے ضمن میں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر، پھر ان کی ولادت اور حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت اور اپنے لئے نیک اولاد کی دعا کا ذکر ہے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، ان کے معجزات، حواریوں کی نصرت اور حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جب واضح دلائل سن لینے کے باوجود نصاریٰ، قبولِ حق پر آمادہ نہ ہوئے تو پھر انہیں دعوتِ مباہلہ دی گئی یعنی آیئے! ہم دونوں فریق اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر دعا کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے اور اسے نیست و نابود کر دے۔ پھر انہیں آخر میں یہ پیشکش کی گئی کہ آیئے! ہم دونوں فریق اس نکتے پر اتفاق کر لیں کہ ہم اللہ

کے سوا نہ کسی کی عبادت کریں گے اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے لیکن نصاریٰ نہ تو مباہلہ کرنے پر آمادہ
ہوئے اور نہ ہی شرک سے برأت کے اعلان پر...... جو کمزوری اور بیماری کل کے نصاریٰ میں پائی جاتی تھی وہ آج
کے نصاریٰ میں بھی پائی جاتی ہے...... تیسرے پارے کے آخری رکوع میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء
سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر تمہاری موجودگی میں آخری رسول آگیا تو تم سب اس کی تصدیق اور اس کی مدد کرو گے، انبیاء
سے عہد حقیقت میں ان کی امتوں سے عہد تھا مگر افسوس کہ ان انبیاء کی امتوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی اور
تصدیق اور مدد کی بجائے تکذیب اور مخالفت پر تُل گئے۔

﴿پارہ ۴ کے اہم مضامین﴾

۱۔ چوتھے پارہ کے پہلے رکوع میں بیت اللہ کی عظمت اور حج کی فرضیت کا بیان ہے ..... کعبہ کو دونوں اعتبار سے اوّلیت کا شرف حاصل ہے، زمانے کے اعتبار سے بھی اور شرف وعظمت کے لحاظ سے بھی، کعبہ سے پہلے دنیا میں کوئی عبادت گاہ نہیں تھی، صحیحین میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! زمین پر سب سے پہلی مسجد کونسی تعمیر کی گئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسجد حرام''۔ جو شخص سفر وغیرہ کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو اور وجوب حج کی دوسری شرائط بھی پائی جائیں تو اس پر فوراً حج کرنا فرض ہوگا، بلا عذر تاخیر کرنے سے وہ گناہگار ہوگا۔

۲۔ امتِ مسلمہ تمام امتوں سے افضل اور بہترین امت ہے اور اس کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسری امتوں کے برعکس ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتی ہے جن پر ایمان رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، علاوہ ازیں یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ جب تک امتِ اسلامیہ میں یہ تین اوصاف پائے جاتے رہیں گے وہ فضیلت کی حقدار رہے گی اور اگر خدانخواستہ امت کا کوئی گروہ ان تین سے محروم ہوگیا تو وہ فضیلت کا حقدار نہیں ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنا عذاب مسلط کر دے پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے مگر تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

۳۔ کفار اور یہود ونصاریٰ سے قلبی دوستی لگانے اور انہیں اپنا ہم راز بنانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے چار اسباب بتائے گئے ہیں:

پہلا یہ کہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

دوسرا یہ کہ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا کے اعتبار سے نقصان پہنچے۔

تیسرا یہ کہ ان کی باتوں اور ان کے چہرے کے ہر انداز سے تمہارے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوتا ہے۔

چوتھا یہ کہ ان کے دلوں میں جو بغض اور حسد پوشیدہ ہے وہ ان کی اعلانیہ باتوں سے کہیں زیادہ شدید ہے۔

۴۔ اس کے بعد پچپن آیات میں غزوہ احد کا ذکر ہے، جن میں شکست کے اسباب اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں: تنبیہ بھی ہے، فہمائش بھی ہے، تنقید بھی ہے، تعریف بھی ہے، جیسا کہ تاریخ اسلام سے معمولی شُد بُد رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ غزوۂ بدر میں قریشِ مکّہ ذلّت آمیز شکست سے دوچار ہوئے تھے، انہوں نے اس شکست کا انتقام لینے کے لئے بھرپور تیاری کے بعد شوال ۳ھ میں ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی، قریش کا لشکر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، جس میں دو سو گھڑ سوار، سات سو زرہ پوش اور تین ہزار اونٹ تھے، پانچ سو عورتیں بھی ساتھ تھیں، قریش کے تین ہزار کے لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس سواروں کا ایک دستہ اپنے عقب کی پہاڑی پر متعین فرمادیا، اس پہاڑی کو ''جبل الرماۃ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔آپ نے اس دستے کو تاکید فرمادی کہ فتح ہو یا شکست کسی صورت بھی یہاں سے نہ ہٹیں۔ جب قریشی اور اسلامی لشکر آمنے سامنے ہوئے تو حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم جیسے اسلامی شیروں نے ایسا شدید حملہ کیا کہ مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے،قریشی لشکر کی شکست دیکھ کر ''جبل الرماۃ'' کے تیر اندازوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور دس مجاہدین کے سوا باقی سب مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔خالد بن ولید نے موقع دیکھ کر عقب سے زوردار حملہ کردیا، بھاگتے ہوئے مشرکین بھی پلٹ آئے،یوں اپنی ہی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح بظاہر شکست میں تبدیل ہوگئی،ستر صحابہ اس جنگ میں شہید ہوئے،منافقین نے اپنی فطرت کے مطابق وسوسہ اندازی شروع کی کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو انہیں ہرگز شکست نہ ہوتی،تو ان پچپن آیات میں اسی غزوہ کے مدّ وجزر کا بیان ہے،اس کے بعد پچیس آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے جو فتنہ وفساد کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے،سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں ان اہلِ ایمان کا ذکر ہے جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور ارض وسما کی تخلیق کے بارے میں غور وفکر کرتے اور اپنے پروردگار سے دعائیں کرتے۔

سورت کے اختتام پر فلاح کے چار اصول بیان ہوئے ہیں:

☆ صبر ...... دین پر جمے رہنا اور مشکلات اور مصائب کی وجہ سے دل چھوٹا نہ کرنا۔

☆ مصابرہ ...... دشمن کے مقابلے میں زیادہ استقامت اور شجاعت کا مظاہرہ کرنا۔

☆ مُرابطہ ...... دشمنانِ دین سے مقابلہ کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھنا۔

☆ تقویٰ ...... ہر حال میں اور ہر جگہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔

سورۃ النساء: سورت کا تقریباً ایک پاؤ چوتھے پارہ میں آیا ہے یہ بھی مدنی سورت ہے،اس میں ۱۷۶ آیات ہیں، اسے سورۃ النساء کبریٰ (بڑی سورۃ النساء) بھی کہا جاتا ہے۔اس کے مقابلے میں سورۂ طلاق کو سورۃ النساء قصریٰ (چھوٹی سورۃ النساء) کہا جاتا ہے،چونکہ اس سورت میں ایسے احکام کثرت سے بیان ہوئے ہیں جو کہ خواتین (نساء) سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اسے ''سورۃ النساء'' کہا جاتا ہے۔اس سورت کا جو حصہ چوتھے پارہ میں ہے،اس میں جو اہم مضامین اور احکام مذکورہ ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔حکم دیا گیا ہے کہ یتیموں کے اموال ان کے حوالے کردیئے جائیں اور انہیں ہتھیانے یا عمدہ مال کو ردی مال سے بدلنے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے ...... حقیقت میں یہ حکم بھی عورتوں سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ یتیم بچیوں کی

میراث میں خاص طور پر ناجائز تصرفات کئے جاتے تھے۔

۲۔ چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ شوہر ان کے حقوق ادا کرنے کی سکت رکھتا ہوا اور ان کے درمیان عدل وانصاف بھی ملحوظ رکھ سکے، اگر شوہر ایسا نہیں کرسکتا تو اسے ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرنا چاہئے۔

۳۔ اس کے بعد میراث کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور زمانہ جاہلیت میں تقسیم میراث کے سلسلہ میں جو زیادتیاں خصوصاً خواتین پر ہوتی تھیں ان کا ازالہ کیا گیا ہے۔

۴۔ آخری رکوع میں محرمات کی تفصیل ہے یعنی وہ خواتین جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

﴿پارہ ۵ کے اہم مضامین﴾

چوتھے پارے کے آخر میں ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے نکاح کرنا حرام ہے، پانچویں پارہ کے شروع میں اسی بحث کو مکمل کیا گیا ہے، اس کے علاوہ جو اہم مضامین اس پارے میں آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ تیسرے رکوع میں گھر کے نظام کو درست رکھنے کے لئے چند بنیادی ہدایات دی گئی ہیں، پہلی ہدایت تو یہ دی گئی ہے کہ گھر میں قوامیت (حاکمیت) اور ذمہ دار ہونے کا درجہ مرد کو حاصل ہوگا، کیونکہ جس جماعت اور جس گھر کا کوئی سربراہ نہ ہو اسے انتشار اور افتراق سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس سربراہی کا یہ مطلب نہیں کہ مرد کو آقا اور عورت کو لونڈی کا درجہ دے دیا جائے بلکہ ان کا باہمی تعلق ایسے ہوگا جیسے راعی اور رعیت کا ہوتا ہے، دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر عورت اکھڑ مزاج، نافرمان اور سرکش ہو تو اسے راہِ راست پر لانے کے لئے تین تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں: پہلی تدبیر یہ ہے کہ اسے سمجھایا جائے اور سرکشی کے بُرے نتائج سے خبردار کیا جائے۔ اگر وعظ و نصیحت اس پر اثر نہ کرے تو دوسری تدبیر یہ ہے کہ اس کا بستر الگ کر دیا جائے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے، اگر پھر بھی وہ نہ سمجھے تو انتہائی اقدام کے طور پر اور واقعی سرکشی اور بے راہ روی کی صورت میں حد کے اندر رہتے ہوئے اس کی پٹائی بھی لگائی جاسکتی ہے۔

۲۔ گھر اور خاندان کے نظام کو درست رکھنے کی تدابیر بتانے کے بعد پانچویں رکوع میں اجتماعی زندگی کی درستگی کے لئے ہر چیز اور ہر کام میں احسان کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ احسان کی بنیاد باہمی خیر خواہی، امانت، عدل اور رحم دلی پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام، حق، عدل اور مساوات کا دین ہے اور وہ ساری مخلوق کے درمیان عدل کا حکم دیتا ہے یہاں تک کہ کافر کے حقوق بھی غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ عثمان بن طلحہ کا مشہور واقعہ ہے، جو کعبہ کے کلید بردار تھے۔ ان سے فتح مکہ کے موقع پر چابی لی گئی تو بعض مسلمانوں نے کلید بردار ہونے کا شرف حاصل کرنے کی تمنا ظاہر کی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کلید کعبہ واپس کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہی واقعہ ان کے ایمان لانے کا سبب بن گیا، پھر وہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جسے مفسرین نے چھٹے رکوع کی بعض آیات کے شانِ نزول کے طور پر ذکر کیا ہے کہ ایک نام نہاد مسلمان (منافق) اور یہودی کا مقدمہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا، منافق نے اپنے حق میں فیصلہ کروانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دی۔ اس پر منافقین نے بڑا شور و غوغا کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سامنے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح واضح کر دیا کہ کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک کہ وہ اللہ اور رسول کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ رسول کی بعثت کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، رسول کی اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے لیکن ظاہر ہے منافقوں کو رسول کی اطاعت بڑی گراں محسوس ہوتی ہے۔

۳۔اس کے بعد ساتویں رکوع میں پہلے تو مسلمانوں کو جہاد اور قتال کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ اپنی نیت خالص رکھیں اور صرف اللہ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لئے جنگ کریں پھر بڑے جذباتی انداز میں انہیں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے کہ آخر تم جہاد کیوں نہیں کرتے جبکہ صورت یہ ہے کہ ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے کمزور مرد، خواتین اور بچے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہمیں اس بستی سے نکال دے جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں اور اے اللہ! تو کسی کو ہمارا مددگار بنا کر بھیج دے، چونکہ عام طور پر موت کا خوف جہاد کے میدان میں نکلنے سے ایک بڑی رکاوٹ بنتا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ موت تو کہیں بھی آسکتی ہے، گھر میں بھی اور مضبوط قلعوں میں بھی، نہ جہاد میں نکلنا موت کو یقینی بناتا ہے اور نہ ہی گھر میں رہنا زندگی کے تحفظ کی ضمانت ہے۔

۴۔جہاد و قتال کی ترغیب کے بعد مسلمانوں کو منافقین کی تدبیروں اور سازشوں سے چوکنا رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ سنگدل گروہ ہے جس نے اسلام کا جامہ زیب تن کر کے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے، مدینہ منورہ میں جو پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اس کے خلاف سازشوں کا تانا بانا بننے میں بھی یہی گروہ پیش پیش تھا، مسلمان ان حرماں نصیبوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں متردّد تھے کہ سورۂ نساء کا حصّہ نازل ہوگیا جس میں ان کی ذلّت آمیز حرکتوں، خفیہ منصوبہ بندیوں اور بغض و حسد پر مبنی کارروائیوں کا پول کھول دیا گیا اور ان کے بارے میں واضح فیصلہ سنا دیا گیا کہ ان کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں تاکہ اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کے درمیان حدِ فاصل قائم ہوجائے اور مسلمان منافقوں کے بارے میں یک آواز ہوجائیں اور ان کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ باری تعالیٰ کے حاکمانہ بیان کا انداز ملاحظہ فرمایئے، ارشاد ہوتا ہے: ”تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو اور اللہ نے ان کی حرکتوں کی وجہ سے الٹ دیا ہے۔“ یعنی اے مسلمانو! تم منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں کیوں تقسیم ہو گئے ہو، ایک گروہ کہتا ہے کہ انہیں قتل کرنا چاہئے کیونکہ وہ ہمارے دشمن ہیں، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ان کے بارے میں نرم پہلو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ وہ ہمارے دینی بھائی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے نفاق اور معصیت کی وجہ سے کفر کی طرف واپس لوٹا دیا ہے۔ اس کے بعد ان کی حقیقت سے پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”وہ (منافق) یہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ پھر تم دونوں برابر ہو جاؤ، پس ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ پس اگر وہ اعراض کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کرو اور کسی کو رفیق اور مددگار نہ ٹھہراؤ۔“

۵۔دسویں رکوع میں مؤمن کے قتلِ عمد کی سزا بتائی گئی ہے اور اس کے لیے انتہائی سخت لہجہ اختیار کیا گیا ہے اور فرمایا گیا: ”جو کوئی کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

۶۔قتلِ عمد کی سزا بیان کرنے کے بعد دوبارہ جہاد کی اہمیت اور مجاہدین کی فضیلت بتائی گئی ہے اور واضح طور پر

بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ جو بار بار جہاد کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد، اُمتِ اسلامیہ کی عزت اور سعادت کا راستہ ہے، اگر اُمت جہاد سے کنارہ کشی کر لے گی تو اسے ذلت اور رسوائی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

۷۔ جہاد کے ساتھ ساتھ ہجرت کا بھی ذکر ہے کیونکہ ہجرت بھی جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم ہے، چنانچہ گیارھویں رکوع میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص قدرت کے باوجود دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کرے گا اور اس حالت میں اسے موت آ جائے گی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۸۔ چونکہ ہجرت و جہاد میں خوف و خطر کا سامنا بھی ہوتا ہے اس لئے بارھویں رکوع میں صلوٰۃِ خوف اور صلوٰۃ مسافر کا ذکر ہے، تیرھویں رکوع میں اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق ایک شخص نے چوری کرنے کے بعد ایک یہودی پر بہتان لگا دیا، اس نے اور اس کے اقرباء نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو متاثر کر لیا، قریب تھا کہ حضور اس یہودی کے خلاف فیصلہ فرما دیتے کہ اللہ پاک نے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو ایسے لوگوں کا ساتھ دینے اور ان کی وکالت کرنے سے منع فرمایا۔ ارشاد باری ہے: ''آپ دغا بازوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے نہ بنیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔''

ان آیات کے نزول کے بعد یہ شخص جس نے چوری کی تھی مکہ بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا، اس لئے پندرھویں رکوع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا جرم کفر و شرک ہے اور جس کا کفر و شرک پر انتقال ہو جائے اس کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔

۹۔ اس کے بعد متعدد آیات میں انسان کی سرکشی کا سبب بتلایا گیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے مقابلے میں شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور وہ اس کو ہدایت کے راستے سے بہت دور لے جاتا ہے۔

۱۰۔ پھر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور یہ کہ ہدایت اسی کو ملے گی جو ان کے راستے کی اتباع کرے گا۔

۱۱۔ سولھویں رکوع میں دوبارہ عورتوں کا تذکرہ ہے جس میں ان پر ظلم کرنے اور ان کے حقوق غصب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ کہ اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو جائے تو انہیں آپس میں صلح کر لینی چاہئے کہ صلح ہی سب سے اچھا راستہ ہے۔

۱۲۔ پانچویں پارہ کے آخری رکوع میں دوبارہ منافقین کی مذمت ہے اور انہیں سخت ترین عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

﴿پارہ ۶ کے اہم مضامین﴾

پانچویں پارہ کے آخر میں منافقوں کی مذمت تھی اور انہیں سخت ترین عذاب کی وعید سنائی گئی تھی۔اس لئے چھٹے پارے کے شروع میں یہ بتایا گیا کہ اللہ بُری باتوں کے اظہار کو پسند نہیں کرتا مگر ضرر کا خطرہ ہو یا جو ظالم ہو اس کی مذمت کی جا سکتی ہے، لہٰذا اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ نے منافقین کی پردہ دری کیوں کی ہے۔اس کے علاوہ جو اہم مضامین اس پارہ میں مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔منافقین کی مذمت کے بعد یہود کے جرائم کا تذکرہ ہے اس لئے کہ کفر وضلال میں وہ بھی منافقین کے بھائی تھے، ان کے جرائم میں سے ایک جرم یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور انہیں باعزت طریقے سے آسمانوں پر اٹھالیا۔

۲۔یہود کے بعد اہلِ کتاب کے دوسرے گروہ یعنی نصاریٰ کا تذکرہ ہے، جن کا ایک انتہائی غلط عقیدہ یہ تھا کہ خدا ایک نہیں بلکہ تین اقنوم سے مرکب ہے یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس۔نصاریٰ کو سمجھایا گیا کہ تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے اصل مقام سے نہ بڑھاؤ اور یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں پھر جبکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور عبودیت میں اپنی کوئی ہتک محسوس نہیں کرتے بلکہ عزت محسوس کرتے ہیں تو تم کون ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ٹھہرانے والے۔

۳۔سورۂ نساء کے اختتام پر دوبارہ اس مضمون کا اعادہ ہے جو اس سورت کے شروع میں بیان ہوا تھا یعنی عورتوں کے معاملے کی رعایت اور قریبی ورثاء کے حقوق کا خیال۔

سورۃ المائدہ: یہ مدنی سورت ہے اور اس میں ایک سو بیس آیات ہیں، چونکہ اس میں مائدہ (دسترخوان) کا قصہ مذکور ہے اس لئے اس کا نام مائدہ رکھ دیا گیا ہے، یہ سورت ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئی، بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نزول کے اعتبار سے سورۂ مائدہ آخری سورت ہے، اس سورت میں حلال وحرام کے متعدد احکام اور تین قصے بیان کئے گئے ہیں۔اس سورت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں وہ آیت کریمہ بھی ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس آیت میں تکمیل دین کا اعلان کیا گیا ہے، اس سورت کا جو حصہ چھٹے پارے میں آیا ہے اس میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔سورت کی ابتداء میں اہل ایمان کو ہر جائز عہد اور عقد کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ وہ عہد وعقد انسان اور رب کے درمیان ہو یا انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہو۔

۲۔کھانے پینے کی بہت ساری ایسی چیزوں کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے جنہیں زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھا جاتا تھا، کیونکہ ان چیزوں کے کھانے میں صحت وجسم کا بھی نقصان ہے اور فکر ونظر اور دین واخلاق کا بھی نقصان ہے۔

مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، البتہ اضطرار کی صورت میں جبکہ جان کو خطرہ لاحق ہو ان کا کھانا جائز ہے۔ ان نجس چیزوں کے علاوہ باقی طیبات اور پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ حلال اور حرام بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے اِس فضل وانعام کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے انہیں وضو اور غسل کے ذریعے ظاہر و باطن کے اعتبار سے پاک کیا ہے تاکہ وہ روحانی طور پر اللہ کے ساتھ مناجات کیلئے تیار ہوسکیں۔ بندوں پر اللہ کے فضل واحسان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت دی گئی ہے، کیونکہ اسلامی شریعت آسان شریعت ہے۔ اس میں قدم قدم پر بندوں کی مجبوریوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اس پارہ کے چھٹے رکوع میں فرمایا گیا: ''اللہ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کردے اور تمہارے اوپر اپنا احسان پورا کردے تاکہ تم شکر کرنے والے بن جاؤ۔''

۴۔ اس پارے کے ساتویں رکوع میں یہود کی بزدلی ان کے فتنہ وفساد، سرکشی اور تکبر کا بیان ہے اور ان اوصاف کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو ان خرابیوں میں مبتلا ہونے سے بچا کر رکھیں۔ یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کے احوال بھی بتلائے گئے ہیں، ان سے بھی اللہ کے حکموں پر قائم رہنے کا وعدہ لیا گیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں میں بغض وعداوت ڈال دی۔ باوجودیکہ یہ دونوں گروہ بہت ساری اعتقادی، عملی اور اخلاقی خرابیوں میں مبتلا تھے پھر بھی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر واقعی تم اللہ کے محبوب ہوتو وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے، اس مذمت اور تردید کے بعد انہیں دینِ حق اور خاتم الانبیاء علیہ السلام پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی۔

۵۔ آٹھویں رکوع میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے یہود کو اللہ کے احسانات یاد کرنے کا حکم دیا پھر انہیں ارضِ مقدس (فلسطین) میں داخل ہونے کی ترغیب دی لیکن ان بدبختوں نے اس ترغیب کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانا شروع کردیا اور کہا: ''اے موسیٰ! ہم تو اس ملک میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہاں سے عمالقہ نہیں نکل جاتے لہٰذا تم اور تمہارا رب جاکر لڑو! ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

۶۔ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کے تذکرہ کے بعد نویں رکوع میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، جس کے مطابق قابیل نے حسد کی بناء پر اپنے بھائی کو قتل کردیا، یہی حسد یہودیوں کے اندر بھی پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے خاتم الانبیاء علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا۔

۷۔ اسی قصہ کی مناسبت سے ڈاکوؤں، باغیوں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کی سزا ذکر کی گئی ہے یعنی کسی کو سولی دی جائے، کسی کو قتل کیا جائے اور کسی کے ہاتھ پاؤں الٹی جانب سے کاٹ دیئے جائیں، پھر دسویں رکوع میں چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہ ملک کے امن وتحفظ کے

لئے خطرہ بنتے ہیں، لہٰذا ان کو ایسی سزا دینا ضروری ہے جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

۸۔ڈاکہ زنی، چوری اور فساد کے احکام بیان کرنے کے بعد فسادیوں کے دو بڑے گروہوں کا تذکرہ ہے یعنی منافقین اور یہود، پہلے گروہ کا ذکر اختصار کے ساتھ ہے اور دوسرے گروہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔فرمایا گیا: ''اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، وہ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں، یہ جھوٹ بولنے کے لئے جاسوسی کرتے ہیں اور ایک دوسری جماعت کے جاسوس ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئی۔''

یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کی گمراہی کا بھی بیان ہے اور بتلایا گیا ہے کہ ان کو تورات اور انجیل دی گئی تھی لیکن انہوں نے ان کتابوں کے مطابق اپنے فیصلے نہ کئے۔

۹۔تورات اور انجیل کے ذکر کے بعد قرآن بیان کرتا ہے جو کہ ہدایت اور گمراہی میں فرق کرنے والا ہے اور یہی کتابوں کا محافظ ہے۔

۱۰۔اس کے بعد مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ قلبی دوستی لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ امتِ اسلامیہ کے سخت ترین دشمن ہیں۔فرمایا گیا: ''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہوگا، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

قرآن کریم کی صداقت کا زندہ معجزہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ باوجود یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے مقابلے میں متحد ہیں، تعجب تو اس بات پر ہے کہ عالمِ اسلام کے حکمران قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے باوجود یہود و نصاری سے پینگیں بڑھاتے ہیں اور ان کے اشاروں پر ''بنیاد پرست'' مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں۔

۱۱۔کفار کے ساتھ جب قلبی دوستی لگائی جائے گی تو ارتداد کا بھی خطرہ رہے گا اس لئے اگلی آیات میں مسلمانوں کو ارتداد سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ ارتداد سے سارے اعمال باطل اور ضائع ہو جاتے ہیں اور انسان پر ہمیشہ کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔

۱۲۔یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ سچے اہلِ ایمان سے دوستی لگانے کا حکم دیا گیا ہے، کفار کی دوستی کی قباحت کو واضح کرنے کے لئے مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ اسلام کے شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں اسلئے ان کے ساتھ دوستی کسی طور پر بھی جائز نہیں، یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسلام اور قرآن کو جھٹلایا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ٹھہرایا جیسا کہ چھٹے پارے کے چودھویں رکوع میں فرمایا: ''بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ تین میں سے تیسرا تھا۔'' قرآن نے ان کے غلط نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔'' ظاہر ہے کہ جو کھائے گا وہ فضلہ کو نکالنے کا بھی محتاج ہوگا اور جو محتاج ہے وہ خدا نہیں ہو

سکتا۔

۱۳۔ یہود و نصاریٰ دونوں کو دین میں ناحق غلو کرنے اور خواہشات کی اتباع کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ غلو اکثر گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

۱۴۔ پچھلے پارے کے آخری رکوع میں یہود پر اللہ کی لعنت کا سبب بتلایا ہے وہ یہ کہ وہ: ''اللہ کی نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاویز کر جاتے تھے اور ایک دوسرے کو بُرے کاموں سے منع نہیں کرتے تھے۔''

یہ سبب ذکر کر کے اصل میں امت اسلامیہ کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں ورنہ ان پر بھی ویسے ہی اللہ کی لعنت ہو سکتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔ اور یہ بات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں ارشاد فرمائی ہے جو ابو داؤد اور ترمذی میں موجود ہے۔

۱۵۔ آخری آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن یہود اور مشرکین ہیں اور قرآن کے اس دعویٰ پر یہودی کی پوری تاریخ گواہ ہے، البتہ جو واقعی اور حقیقی نصاریٰ ہیں وہ مسلمانوں کے لئے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

﴿پارہ ۷ کے اہم مضامین﴾

چھٹے پارے کی آخری آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو حقیقی نصاریٰ ہیں وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لئے قدرے نرم گوشے رکھتے ہیں، اب ساتویں پارہ کے شروع میں بھی بعض نصاریٰ ہی کا ذکر ہے جو قرآن سن کر اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتے اور بے اختیار ان کی آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں، یہ آیات حبشہ کے ان نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کے ملک میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، انہوں نے جب مسلمانوں کی زبان سے قرآن سنا تو روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں کی رم جھم سے تر ہوگئیں۔ اصل میں اللہ کے کلام میں تاثیر ہی ایسی ہے کہ اگر ایسے دل سے اسے سنیں جو بغض اور کینہ سے خالی اور خوف وخشیت سے معمور ہوں تو ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک ہی پڑتے ہیں۔ حقیقی نصاریٰ کے کلام اللہ سے متاثر ہونے اور رونے دھونے کا حال بتانے کے بعد شرعی مسائل ذکر کیے گئے ہیں کیونکہ سورۂ مائدہ مدنی سورت ہے، جیسے مکی سورتوں میں عام طور پر عقائد سے بحث ہوتی ہے یونہی مدنی سورتوں میں کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اختصار کے ساتھ تشریعی امور سے بحث ہوتی ہے، یہاں جو مسائل واحکام ذکر کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے، اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جن پاکیزہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے تم نہ تو انہیں حرام سمجھو اور نہ ہی ان کے استعمال سے احتراز کرو، اصل میں اسلام اعتدال کا دین ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، نہ غلو اور نہ ہی کمی کوتاہی، اس لئے اسلام اس

بات کو پسند نہیں کرتا کہ پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے اجتناب کو تقوی اور کمال کا سبب سمجھا جائے اور نہ ہی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حرام اور حلال کے فرق ہی کو اٹھا دیا جائے اور بے دریغ ایسی چیزوں کا استعمال شروع کر دیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

۲۔لغو قسم پر کوئی دنیوی مواخذہ نہیں ......لغو قسم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق سچی قسم کھائے حالانکہ وہ کام اس کے گمان کے خلاف تھا، البتہ ایسی قسموں پر کفارہ کی صورت میں مواخذہ ہوگا جو مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کھائی جائیں اور پھر انہیں پورا نہ کیا جائے۔

۳۔شراب، جوا، بُت اور پانسے قطعی حرام اور شیطانی عمل ہیں۔

۴۔احرام کی حالت میں خشکی کا شکار جائز نہیں البتہ سمندر اور دریا میں رہنے والے جانوروں کا شکار حالتِ احرام میں بھی جائز ہے۔

۵۔احرام کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام یعنی کعبہ اور شہرِ حرام کا بھی تذکرہ کیا ہے، یہ کعبہ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گردو پیش کے علاقے کو حرم اور اس کی جگہ قرار دیا ہے، اس کی حرمت اور امن کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''اگر میں اپنے والد خطاب کے قاتل کو بھی حرم میں دیکھ لوں تو اس وقت اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر نہ نکل جائے۔''

۶۔زمانہ جاہلیت میں مشرکین نے بہت سارے جانور بزعم خویش حرام قرار دے رکھے تھے اور ان کے لئے مخصوص نام بھی تجویز کر رکھے تھے، مثال کے طور پر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ......آیت نمبر ۱۰۳ میں واضح طور پر بتا

دیا گیا کہ یہ مشرکین کا جھوٹ اور افتراء ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی بھی جانور کو حرام قرار نہیں دیا۔

۷۔ جب کسی انسان کو موت کی آہٹ محسوس ہونے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ قابلِ وصیت امور کے بارے میں وصیت کر جائے، اس وصیت پر دو قابلِ اعتماد شخصوں کو گواہ بنالیا جائے تاکہ کل کلاں اگر اختلاف ہو جائے تو ان کی گواہی کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔

۸۔ حلال وحرام کے ان مسائل کے بعد قیامت کے دن کی منظر کشی کی گئی ہے، جب تمام رسولوں کو جمع کر کے ان سے سوال کیا جائے گا کہ جب تم نے میرا پیغام میرے بندوں تک پہنچایا تو تمہیں کیا جواب دیا گیا۔ انبیاء کے ساتھ سوال وجواب کے تناظر میں حضرت مسیح علیہ السلام کا خاص طور پر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سیدنا مسیح علیہ السلام کو اپنے احسانات یاد دلائے گا، ان احسانات میں ''مائدہ'' والا قصہ بھی مذکور ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لئے آسمان سے ''مائدہ'' نازل فرمائے یعنی ایسا دستر خوان جس میں کھانے پینے کی مختلف آسمانی نعمتیں بھی ہوئی ہوں، اسی قصہ کے حوالے سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' رکھا گیا ہے۔ اپنے چند احسانات گنوانے کے بعد اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ ''اے عیسیٰ، مریم کے بیٹے! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود ٹھہراؤ'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ جلال میں عرض کریں گے ''تو پاک ہے، میرے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق ہی نہیں تھا'' پھر عرض کریں گے کہ ''میں نے تو انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا تھا، اگر انہوں نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے تو آپ کو اختیار ہے چاہیں تو انہیں سزا دیں اور چاہیں تو معاف کر دیں'' ...... قیامت کے دن کی منظر کشی اور اللہ کی ہمہ گیر سلطنت کے تذکرہ پر سورۂ مائدہ اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

سورۃ الانعام:

سورہ مائدہ کے بعد ساتویں پارے کے دوسرے پاؤ سے سورۂ انعام کا آغاز ہوتا ہے، اس سورت میں ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں۔ یہ مکّی سورت ہے دوسری مکّی سورتوں میں عام طور پر تین بنیادی عقائد سے بحث کی جاتی ہے یعنی توحید، رسالت اور آخرت۔ اس سورت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مشرکین کے غلط عقائد کی تردید کے لئے تقریر اور تلقین دونوں اسلوب اختیار کیے گئے ہیں، اسلوبِ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت وعظمت کے دلائل کو ایسے مسلّم اصولوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے کہ ان کا انکار ایسا انسان کر ہی نہیں سکتا جسے اللہ تعالیٰ نے قلبِ سلیم اور عقلِ صحیح سے نوازا ہو، آپ اس سورت کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو وقفے وقفے سے ایسی آیات ملیں گی جن میں ارض وسما میں اللہ کے موجود ہونے، بندوں پر اس کے غلبے اور ظاہر وباطن کا عالِم ہونے کا یوں ذکر کیا گیا ہے کہ گویا ان دعاوٰں کو مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ دعوے ایسے ہرگز نہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے دلائل دیئے جائیں یا زیادہ مغز ماری کی جائے بلکہ جب صاحبِ نظر انسان کائنات پر ایک نظر ڈالتا ہے تو وہ اللہ کے وجود، اس کی عظمت وکبریائی اور غلبے اور قدرت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا۔ اسلوبِ یقین کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ امّی کو ایسے دلائل سکھاتا ہے جن کا منکرین کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا اور وہ شرمندگی اور سرافگندگی پر مجبور ہو جاتے ہیں، یہ اسلوب عام طور پر سوال جواب کی شکل میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آیت ۱۲ میں ہے: ''آپ ان سے سوال کیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے یہ کس کا ہے؟'' ظاہر ہے کہ دل سے تو مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے لیکن زبان سے اعتراف کرنے میں انہیں حجاب ہوتا تھا، اس لئے فرمایا گیا کہ آپ خود ہی جواب دیجئے کہ ''سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔'' تقریر اور تلقین

﴿پارہ ۸ کے اہم مضامین﴾

ساتویں پارہ کے آخر میں مشرکین کا یہ مطالبہ ذکر کیا گیا تھا کہ اگر ہمیں کوئی حسی معجزہ دکھایا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آٹھویں پارہ کے شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں، اگر ان کو حسی معجزات بھی دکھا دیئے جائیں، یہاں تک کہ قبروں سے مردے زندہ ہو کر ان سے باتیں کریں تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کی مخالفت، استہزاء اور انکار سے پریشان نہ ہوں، ہر نبی کے ساتھ انسی اور جنی شیاطین نے ہمیشہ یہی رویہ اختیار کیا ہے، باقی آپ کی نبوت کے اثبات کے لئے ان کے مطلوبہ معجزات کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو متعدد معجزات سے نوازا ہے جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے، لہذا یہ اس معجزہ کو دیکھنے اور سننے کے باوجود انکار کرتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں، کیونکہ زمین پر بسنے والے اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ ہدایت کو چھوڑتے ہیں اور گمراہی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ فرمایا: ''اور اگر آپ اکثر لوگوں کی بات مانیں گے جو دنیا میں ہیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے دور کر دیں گے۔''

اس کے بعد جو اہم مضامین اس سورت میں مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ رکوع نمبر دو کے آغاز میں فرمایا گیا کہ ''مؤمن کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو زندہ ہے اور اسے ہم نے نور عطا کیا ہے اور کافر کی مثال اس شخص جیسی ہے جو مردہ ہے اور تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہے۔''

۲۔ ایمان وکفر اور ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے نوازتا ہے۔

۳۔ ہدایت یافتہ اور گمراہ فریقوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ اللہ ان سب کو قیامت کے دن جمع کرلے گا پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

۴۔ مشرکین کی مختلف حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ زمین سے حاصل ہونے والے غلے اور چوپاؤں میں اللہ کا حصہ الگ کر لیتے تھے اور اپنے شرکاء کا حصہ الگ کر لیتے تھے پھر جو ان کے شرکاء کا حصہ ہوتا تھا اسے تو اللہ کے حصے میں نہیں ملنے دیتے تھے لیکن جو اللہ کا حصہ ہوتا تھا وہ اگر شرکاء کے حصے میں مل جاتا تو اسے برا نہیں سمجھتے تھے، ان کی حماقت یہ تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو فقر یا عار کی وجہ سے قتل کر دیتے تھے۔ عورت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات میں سے ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضور نے اپنی زبان وعمل سے یہ سمجھایا کہ بیٹی کا وجود نہ

تو باعث ننگ ہے اور نہ ہی فقر وغربت میں اضافے کا سبب۔ مشرکین کی تیسری حماقت قرآن نے یہ بتلائی کہ انہوں نے چوپاؤں کو مختلف قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا، بعض وہ تھے جو کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کے لئے مخصوص تھے، بعض وہ تھے کہ جن پر سوار ہونا اور ان سے کسی بھی طرح فائدہ اٹھانا جائز نہیں سمجھتے تھے اور بعض وہ تھے جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ کی بجائے بتوں کے نام ذکر کرتے تھے، ایک چوتھی حماقت یہ بتلائی گئی کہ چوپائے کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوتا تھا اگر وہ زندہ پیدا ہوتا تو اسے مردوں کے لئے حلال سمجھتے تھے مگر عورتوں کے لئے حرام اور اگر وہ مردہ پیدا ہوتا تو اسے مرد وعورت دونوں کے لئے حلال سمجھتے تھے۔

مشرکین کی یہ حماقتیں بتانے کے بعد انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائی گئیں کہ وہی اللہ ہے جس نے باغات، زیتون اور انار جیسے مختلف پھل پیدا کیے ہیں، وہی اللہ ہے جس نے بار برداری، گوشت اور دودھ کے حصول کے لئے چھوٹے اور بڑے جانور پیدا کیے۔ ان جانوروں اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء میں تحلیل وتحریم کا اختیار بھی صرف اللہ کے پاس ہے، وہ جس چیز کو چاہتا ہے حلال کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے حرام کرتا ہے۔

۵۔ مشرکین کے عقائد اور دعووں کی تردید کے بعد وہ مشہور آیات ہیں جن میں اللہ نے ایسی دس وصیتیں بیان فرمائی ہیں جن پر ساری آسمانی شریعتیں متفق ہیں اور تمام ادیان ان پر عمل کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ ان پر عمل کرنے سے انسانی سعادت کی حفاظت ہوتی ہے اور اسے دنیا وآخرت میں عزت وکرامت کی وہ زندگی حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالٰی انسان کو دینا چاہتا ہے۔ پہلی وصیت یہ ہے صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ دوسری یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور انہیں اپنی زبان وعمل سے تکلیف نہ دی جائے۔ تیسری یہ کہ اولاد کو فقر کے ڈر سے یا ننگ وعار کے خوف سے قتل نہ کیا جائے۔ چوتھی یہ کہ ہر قسم کے فواحش اور برائیوں سے بچا جائے، خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ۔ پانچویں یہ کہ انسان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے، یہ ایسا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں۔ چھٹی یہ کہ یتیم کے مال میں ناجائز تصرف نہ کیا جائے۔ آٹھویں یہ کہ ناپ تول کو پورا رکھا جائے۔ نویں یہ کہ سارے انسانوں کے درمیان عدل کو ملحوظ رکھا جائے، خواہ کوئی اپنا قریبی ہو یا دشمن۔ دسویں یہ کہ اللہ کے عہد کو پورا کیا جئے۔

ان وصیتوں کے ذکر کے بعد اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ علی الاعلان کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ نے دین حق کی ہدایت دی ہے، یہی ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا اور یہ کہ میری نماز اور عبادات، سارے افعال

واعمال خالص اللہ کے لئے ہیں، میں ان اعمال سے صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔سورت کا اختتام اسی بات پر ہوا کہ یہ اور جو کچھ اس میں ہے یہ ابتلاء اور آزمائش کے لئے ہے تاکہ مؤمن اور کافر اور نیک اور بد میں فرق ہو جائے۔

سورۃ الاعراف

یہ مکی سورت ہے اور اس میں دوسو چھ آیات ہیں، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی تینوں بنیادی عقائد کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔اس سورت کی ابتداء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ یعنی قرآن کا ذکر ہے جو کہ سارے انسانوں کیلئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے،اس سورت میں انسان کو اللہ کی اس نعمت کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ اس نے سب انسانوں کو ایک ہی باپ سے پیدا کیا ہے تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ وہ انسانیت میں بھائی بھائی ہیں۔اسی طرح اس سورت میں انسان کو اللہ نے جو تکریم بخشی اس کا بھی ذکر ہے، وہ یہ کہ اللہ نے پہلے انسان کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔اس قصہ کے ضمن میں شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی بھی تلقین کی گئی ہے کیونکہ وہ ایسا مکار دشمن ہے جو انسان کی راہ کھوٹی کرنے کے لئے ہر راستے پر بیٹھا ہوا ہے اور انسان کے ساتھ ٹکراؤ کی جو ابتداء ابلیس کے انکارِ سجدہ سے ہوئی تھی اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور خیر وشر اور حق وباطل کے درمیان کشمکش کسی نہ کسی انداز میں باقی رہے گی۔

سورۂ اعراف کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلسل چار بار انسانوں کو ''یا بنی آدم'' کے صیغہ سے خطاب فرمایا ہے۔یہ چار ندائیں سورۂ اعراف کے علاوہ کسی اور سورت میں نہیں ہیں۔پہلی ندا دسویں رکوع میں ہے، جس میں اللہ نے لباس کی نعمت کا ذکر کیا ہے۔آیت نمبر ۲۶ جس میں فرمایا گیا: ''اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے جو تمہارے ستر کو بھی چھپاتا ہے اور زینت کا بھی باعث ہے اور تقوے کا لباس سب سے بہتر ہے۔''

دوسری ندا دسویں رکوع کی آیت نمبر ۲۷ میں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ابلیس کے فتنہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو بہکا نہ دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، ان کے لباس اتروا دیئے تاکہ انہیں ان کا ستر دکھا دے۔''

تیسری ندا دسویں رکوع کی آیت نمبر ۳۱ میں ہے جس میں فرمایا گیا: ''اے اولادِ آدم! اپنی زینت (کا لباس) لے لو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، بیشک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

چوتھی ندا گیارہویں رکوع کی آیت نمبر ۳۵ میں ہے جس میں فرمایا گیا: ''اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں جو تم کو میری آیات سنائیں تو جو تقویٰ اختیار کر لیں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے تو ایسوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اولادِ آدم کو یہ بار بار خطاب انہیں شیطان کے وساوس اور مکاریوں سے بچانے کے لئے ہے تا کہ انسان ملمع ساز باتیں سن کر دھوکہ نہ کھا جائے کیونکہ وہ ایسا چالاک دشمن ہے جو بظاہر دوست کا لباس پہن کر آتا ہے اور ایسی مکار لومڑی ہے جو اپنے آپ کو خیر خواہی کے روپ میں پیش کرتی ہے، اسے حق کو باطل اور باطل کو حق، شر کو خیر اور خیر کو شر بنا کر پیش کرنے کا فن آتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ پہلی تین ندائیں لباس کے بارے میں ہیں، ان میں سے دوسری ندا میں یہ بتا دیا گیا کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے لباس اتروا دیئے تھے اور ان کے ستر کھلوا دیئے تھے، گویا ابلیس کا ایک بڑا ہدف یہ ہے کہ اولادِ آدم کو شرم و حیا کے لباس سے محروم کر دے اور انہیں فحاشی اور عریانیت کی راہ پر لگا دے۔

آج جب مغربی میڈیا کے ذریعہ بے حیائی کے امڈتے ہوئے سیلاب اور عورت کی آزادی کے نام پر حیا باختگی کی فضاء دیکھتے ہیں تو پھر یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ قرآن نے لباس کے بارے میں تاکید اور تکرار کا اسلوب کیوں اختیار کیا ہے، ان نداؤں کے علاوہ سورۂ اعراف کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

۱۔ مشرکین بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے اور اپنے اس قبیح عمل اور اس جیسے دوسرے اعمال کے بارے میں یہ حجت پیش کرتے تھے کہ ہمارے آباء واجداد بھی یوں ہی کیا کرتے تھے اور بعض اوقات یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، ان کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''اللہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا'' لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ جھوٹ اور افتراء کے سوا کچھ نہیں، اسلام زندگی کے تمام جائز مطالبات کرنے والا دین ہے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ لباس پہننے سے اور پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے منع کرے، اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو رہبانیت کے قائل ہیں اور حلال اور پاک چیزوں سے اجتناب کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

۲۔ آٹھویں پارہ کے گیارہویں اور بارہویں رکوع میں ایسے دو گروہوں کا ذکر ہے جو فکر و نظر اور عقیدہ و عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک گروہ ضد اور عناد، کفر اور استکبار کی راہ اپنانے والوں کا ہے جن کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ نہیں، دوسرا گروہ تسلیم وانقیاد اور ایمان اور اطاعت کی راہ پر چلنے والوں کا ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ جنت کے حقدار ہوں گے، یہ دونوں گروہ جب اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے تو قرآن بتاتا ہے کہ ان کے درمیان مکالمہ ہوگا، اہلِ جنت دوزخیوں سے سوال کریں گے کہ کیا تمہیں آج اللہ کے وعدوں کا سچا یقین آیا یا نہیں؟ وہ جواب میں اقرار کریں گے کہ ہاں ہم نے وعدوں کو سچا اور برحق پایا۔ دوزخی جب جہنم کی ہولناک گرمی اور بھوک پیاس سے پریشان ہوجائیں گے تو جنتیوں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے کہ ہمیں کچھ کھانے اور پینے کو دو لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ سوال رائیگاں جائے گا، یہ مکالمہ اس پارہ کے بارہویں اور تیرہویں رکوع میں مذکور ہے۔

ایک تیسرا گروہ بھی ہے جسے قرآن نے ''اصحابِ اعراف'' کا نام دیا ہے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو مؤمن تھے لیکن اعمال صالحہ میں دوسرے جنتیوں سے پیچھے رہ گئے ہوں گے، انہیں نہ تو جنت میں داخل کیا جائے گا اور نہ ہی دوزخ میں بلکہ ان کا فیصلہ مؤخر کردیا جائے گا، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمادیں گے، ان اصحابِ اعراف اور دوزخیوں کے درمیان بھی مکالمہ ہوگا جو کہ تیرہویں رکوع میں مذکور ہے۔ ان مکالمات کے بعد اللہ کی قدرت اور توحید کے دلائل اور آخر میں چھ انبیاء کرام یعنی حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے قصے اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے اور آخری قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے، ان قصوں میں جو مختلف حکمتیں اور عبرتیں پوشیدہ ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی ایذاؤں پر تسلی دینا۔

۲۔ متکبروں کا انجامِ بد اور نیکوکاروں کا اچھا انجام بتانا۔

۳۔ اس بات پر تنبیہ کرنا کہ اللہ کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں، بالآخر ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا مل کر رہتی ہے۔

۴۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی کی دلیل پیش کرنا کہ اُمّی ہونے کے باوجود آپ تاریخ کے گمشدہ اوراق حقائق کے مطابق پیش فرماتے تھے۔

۵۔ انسانوں کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان پیش کرنا۔

﴿پارہ ۹ کے اہم مضامین﴾

آٹھویں پارہ کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ شروع ہوا تھا، اس قصے کا بقیہ حصہ نویں پارہ کے آغاز میں بیان کیا جارہا ہے، جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی برائیوں اور فتنہ وفساد پر روک ٹوک کی تو ان کے متکبر سرداروں نے دھمکی دی "اے شعیب! ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ تم بھی ہمارے دین میں آجاؤ"۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، باقی تمہیں جو کچھ کرنا ہے کرلو، ہم اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں۔

ان مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جھٹلانے والی قوموں کے بارے میں ہماری سنت اور ہمارا دستور یہ رہا ہے کہ ہم انہیں ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، تنگی اور تکلیف میں بھی مبتلا کرتے ہیں کہ شاید وہ ہماری طرف رجوع کریں، لیکن جب وہ نرمی یا سختی کسی بھی طریقہ سے نہیں سمجھتے تو ہم انہیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور انہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ پھر ان قصوں کے آخر میں گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے انکار اور استکبار پر حزین وملول نہ ہونے کی تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ "یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ احوال ہم آپ کو سناتے ہیں، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر ایسا نہ ہوا کہ اسی بات پر ایمان لے آتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے"

وہ چھ انبیاء جن کے قصے سورۂ اعراف میں بیان کیے گئے ہیں ان میں سے تفصیل کے ساتھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے، اس لیے کہ ان کی قوم کی جہالت اقوامِ عالم کی جہالت سے بڑھ کر تھی اور آپ کی مخاطب قوم میں ایسا فرد بھی تھا جو خدائی کا دعوے دار تھا، آپ کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ بھی سابقہ انبیاء کے معجزات کے مقابلے میں زیادہ واضح تھے، خاص

طور پر عصا اور ید بیضا، یہ دو ایسے معجزے تھے کہ جن کا انکار کرنے کے لئے دل کے اندھوں کو بھی خاصے تعصب اور ضد وعناد سے کام لینا پڑا ہوگا۔ فرعون اور اس کی قوم یعنی قبطیوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ ان پر جور و جفا کے نئے نئے طریقے آزماتے رہتے تھے۔ بنی اسرائیل اس زمانے میں مصر آئے تھے جب ان کے شہر اور گاؤں شدید قحط کی لپیٹ میں آ گئے تھے، پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر سایہ یہیں پر آباد ہو گئے اور ان کی نسل میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ان کا شمار مصر کی دوسری بڑی قوم میں ہونے لگا، پھر مختلف فرعونوں نے اپنے اپنے دور میں انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو بدترین غلامی سے رہائی دلا کر ان کے اپنے وطن یعنی ارض مقدس میں لے جانا چاہتے تھے اسی لیے آپ نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ ''بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو'' (۱۰۵/۷)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تو فرعون نے مذاق کے طور پر کہا ''اچھا! اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ'' ......! آپ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر گئی، پھر آپ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا، اس سے ایسا نور نکلا جس سے ارض وسما کے درمیان چکا چوند ہو گئی، بعض تفسیروں مثلاً طبری اور ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب فرعون نے لاٹھی کو سانپ بنتے ہوئے دیکھا تو ڈر کے مارے تخت سے چھلانگ لگا دی اور بھاگ کھڑا ہوا، پھر اسے یہ ڈر لاحق ہو گیا کہ کہیں لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، اس لیے اس نے اپنے مشیران خاص سے کہا کہ یہ ایک جادوگر ہے جو تمہارے اس ملک پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ لہٰذا تم مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہئے، انہوں نے کہا ہمارے ملک میں بڑے بڑے ماہر جادوگر ہیں، ان سب کو جمع کر لیا جائے تا کہ وہ ایک مجمعِ عام کے سامنے موسیٰ کو شکستِ فاش دیں، چنانچہ یہی کیا گیا، ایک مخصوص میدان اور معین دن میں مصر کے ہزاروں لوگ جمع ہو گئے ساحروں کے جادو کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معجزہ دکھایا تو ساحرانِ مصر بے اختیار سجدے میں گر گئے اور انہوں نے ایمان قبول کر لیا، ان کے قبول ایمان نے فرعون کو سیخ پا کر دیا اور وہ گالم گلوچ اور دھمکیوں پر اتر آیا لیکن ان

نومسلموں کے دل کی گہرائی میں ایمان کی جڑ چند لمحوں ہی میں اس قدر پیوست ہوگئی تھی کہ فرعون کی دھمکیاں ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کرسکیں۔

فرعون اور اس کی قوم کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں مسلسل تکبر، سرکشی، انکار اور ظلم وستم کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یکے بعد دیگرے مختلف عذابوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیا۔ اللہ نے ایسا طوفان بھیجا جس سے ان کی کھیتیاں تباہ ہوگئیں، ٹڈیوں کے دل کے دل آئے جو درختوں کے پتے تک چٹ کر گئے، اس قدر چیچڑیاں پیدا ہوگئیں کہ انہوں نے جمع شدہ غلے کو ناقابلِ استعمال کر دیا، مینڈکوں کی کثرت ہوگئی، بات کرنے کے لئے منہ کھولتے تو مینڈک منہ کی طرف چھلانگ لگاتے، ان کی نہروں، کنوؤں اور مٹکوں کا پانی خون میں تبدیل ہوگیا، جب کوئی عذاب آتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آہ وزاری اور عہد واقرار کرتے کہ اگر اللہ نے اس عذاب سے نجات دے دی تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب عذاب ٹل جاتا تو وہی کچھ کرنے لگتے جو پہلے کر رہے ہوتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے عذاب سے نجات دے دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں رات کی تاریکی میں مصر سے لے کر نکل گئے، آزادی نصیب ہوئی تو دستورِ زندگی کی ضرورت محسوس ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کوہِ طور پر بلایا، وہاں آپ نے چالیس روزے رکھے، پھر آپ کو باری تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا اور دستورِ زندگی کے طور پر تورات بھی عطا ہوئی، آپ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سامری کے بہلانے پھسلانے پر اسرائیلیوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کردی، آپ واپس تشریف لائے تو آپ کو ان کی اس مشرکانہ حرکت سے بے پناہ دکھ ہوا، اسرائیلی عجیب قوم تھے، قدم قدم پر پھسل جاتے تھے، وعدے کرتے تھے اور بھلا دیتے تھے، احکامِ الٰہیہ کا مذاق اڑاتے تھے، ان میں تاویل اور تحریف تک سے باز نہیں آتے تھے، انہیں حکم دیا گیا کہ بیت المقدس میں سر جھکا کر داخل ہو مگر وہ سر اٹھا کر اور گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، انہیں کہا گیا کہ ہفتے کے دن اللہ کی عبادت کے سوا کچھ نہ کرو مگر وہ حیلے بہانے سے مچھلی کا شکار کرنے لگے، ان

کے سروں پر کوہِ طور اٹھا کر تورات پر عمل کا وعدہ لیا گیا مگر وہ اپنے وعدے کو نبھانے میں ناکام رہے۔ یہ تمام واقعات سورۂ اعراف میں تفصیل سے مذکور ہیں، جب بنی اسرائیل سے وعدہ لینے کا ذکر ہوا تو اسی کی مناسبت سے بارہویں رکوع میں بتایا گیا کہ عالمِ ارواح میں تمام انسانوں سے بھی اللہ کے حکموں کی تعمیل کا وعدہ لیا گیا تھا مگر اکثر انسانوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا۔ اس کے بعد سورت کے اختتام تک جو اہم مضامین مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ بلعم بن باعوراء کا قصہ جسے علم و شرف عطا کیا گیا تھا لیکن اس بدبخت نے اپنے علم کو دنیا کے چند سنگریزوں کے عوض فروخت کر دیا۔ (۷/۱۷۵-۱۷۸)

۲۔ کفار، چوپاؤں کی طرح ہیں کیونکہ وہ اپنے دل و دماغ، آنکھوں اور کانوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ (۷/۱۷۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ کفار کو اس دنیا میں مہلت دیتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انہیں اچانک پکڑ لیتا ہے۔ (۷/۱۸۲)

۴۔ قیامت کا معین علم کسی کو بھی نہیں ہے۔ (۷/۱۸۷)

سورۂ اعراف کی ابتداء بھی قرآن کی عظمت کے بیان سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی قرآن کی تعظیم اور ادب و احترام کے بیان پر ہوا ہے فرمایا گیا ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سورۃ الانفال:

سورۂ انفال مدنی ہے، اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں، دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں شرعی احکام کے بیان کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ خاص طور پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا موضوع اس میں بہت نمایاں ہے، یہ سورت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی جو کہ تاریخِ اسلام میں ہونے والے غزوات کی بنیاد اور ابتداء تھا، اس غزوہ میں اللہ کی نصرت کا دیکھتی آنکھوں سے مشاہدہ کیا گیا اور ایک چھوٹے سے لشکر نے اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ اس سورت کی

ابتدا مالِ غنیمت کا حکم بیان کرنے سے ہوئی ہے کیونکہ اس کی تعلیم کے بارے میں مسلمانوں میں باہم اختلاف ہوگیا تھا، اس کے بعد سچے مومنوں کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں یعنی اللہ کی خشیت، تلاوتِ قرآن سے ایمان کی زیادتی، رحمٰن پر توکل، نماز کی حفاظت اور اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان۔ اگلی آیات میں غزوہ بدر کی تفصیل ہے۔

سورۂ انفال کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو چھ بار ''یاایھا الذین آمنو'' کے محبت آمیز الفاظ سے خطاب فرما کر انہیں ایسے اصول بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر وہ میدانِ جہاد میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ سکتے ہیں۔ پہلا خطاب آیت ۱۵ میں ہے جس میں فرمایا گیا ''اے ایمان والو! جب تم میدانِ جنگ میں کافروں سے ٹکراؤ تو ان سے پیٹھ مت پھیرو۔''

دوسرا خطاب آیت ۲۰ میں ہے جس میں ہے ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے سن کر اعراض نہ کرو۔''

تیسرا خطاب آیت ۲۴ میں ہے ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تمہیں ایسے کام کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔''

چوتھا خطاب آیت ۲۷ میں ہے ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو''

پانچواں خطاب آیت ۲۹ میں ہے ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں فرقان عطا کردے گا، تمہارے گناہ تم سے دور کردے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے''

ان آیات میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل پیرا ہوکر اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز آکر مسلمان یقیناً دنیا کی سب سے مضبوط اور طاقتور قوم بن سکتے ہیں۔

﴿پارہ ۱۰ کے اہم مضامین﴾

سورۃ الانفال کا کچھ حصہ دسویں پارہ میں بھی آیا ہے، انفال، نفل کی جمع ہے، مال غنیمت کو کہتے ہیں، اس سورت کی پہلی آیت میں ایک ایسے ہی سوال کا جواب دیا گیا تھا جو مال غنیمت کے بارے میں کیا گیا تھا، دسویں پارہ کے شروع میں اس کی مزید تفصیل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دیا جائے گا جبکہ چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے۔

مال غنیمت کی تقسیم کا حکم بتانے کے بعد دوبارہ غزوۂ بدر کی تفصیل ہے جس میں قرآن حکیم نے اپنے خاص اسلوب میں اس کی یوں منظر کشی کی ہے کہ گویا سامعین اپنی آنکھوں سے اس غزوہ کا حال دیکھ رہے ہیں۔فرمایا:

''اس وقت کو یاد کرو جب تم قریب کے ناکے پر تھے اور وہ دور کے ناکے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے اتر گیا تھا''

اسی غزوۂ بدر کے حوالے سے جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے خاص خاص باتیں درج ذیل ہیں:

- جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو کفار نے مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم سمجھی اور یوں ہی مسلمانوں کو کفار بہت کم دکھائی دیئے، ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کا ہونا طے فرما دیا تھا اور اللہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی فریق بھی دوسرے کی کثرت سے مرعوب ہو کر راہ فرار اختیار کر جائے۔
- اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی نصرت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ کی نصرت کے حصول کے چار عناصر ذکر فرمائے ہیں: (۱) میدانِ جنگ میں ثابت قدمی (۲) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا (۳) آپس میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے سے بچ کر رہنا (۴) دشمن سے مقابلہ کے وقت ناموافق امور پر صبر کرنا۔
- کامیابی کے چار عناصر بتانے کے ساتھ ساتھ مشرکین کی طرح فخر و غرور اور دکھاوا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
- غزوۂ بدر میں شیطان مشرکین کے سامنے ان کے اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا رہا، دوسری جانب مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے جو کافروں کے چہروں اور پیٹھوں پر سخت ضربیں لگاتے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیات تو غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔

چنانچہ موت کے وقت ہر کافر کی پٹائی لگتی ہے۔

● قریش پر غزوۂ بدر میں جو آفت آئی اور وہ ذلیل و خوار ہوئے تو اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی قوم شکر کی بجائے کفر اور اطاعت کی بجائے معصیت شروع کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا معاملہ بدل دیتا ہے اور اسے نعمت کی جگہ نکبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

● غزوۂ بدر کے پس منظر میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کے لئے مادی، عسکری اور روحانی تینوں اعتبار سے تیاری مکمل رکھیں، ظاہر ہے غزوۂ بدر میں ماڈی تیاری مکمل نہ تھی یہ تو اللہ کی خاص نصرت کا نتیجہ تھا کہ ماڈی اور عسکری اعتبار سے کمزوری اور دونوں لشکروں میں بے پناہ تفاوت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی لیکن آئندہ کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حالات اور ضروریات کے مطابق بھرپور تیاری کریں تاکہ ان کے اسلحہ اور ساز و سامان کو دیکھ کر دشمن پر رعب طاری ہو جائے اور وہ اسلامی لشکر کے سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جہاں تک ہو سکے تم ان سے مقابلے کے لیے تیاری رکھو، قوت بھی اور گھوڑوں کا پالنا بھی کہ اس کے ذریعے تمہاری دھاک بیٹھی رہے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسرے لوگوں پر جنہیں تم نہیں جانتے اور اللہ انہیں جانتا ہے۔'' (۸:۶۰)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مادی قوت و طاقت کی اہمیت کے باوجود روحانی قوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دشمن سے دوبدو ہونے کے لیے روحانی قوت، تمام دوسری قوتوں اور وسائل کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

● جہاں مسلمانوں کو جنگ کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ''اگر یہ (کافر) صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔'' (۸:۶۱)

اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اگر صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو تو صلح کر لینی چاہئے، جنگ کی تیاری اور جذبۂ جہاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بہر صورت جنگ ہی کرنا ضروری ہے اور مصالحت سے دور رہنا ہی اللہ کا حکم ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر صلح کا راستہ اختیار فرمایا ہے۔

● جنگِ بدر میں ستر مشرکین گرفتار ہوئے تھے، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے موافق ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ انہیں فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رائے کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں کو رہا کر دیا، اس پر اللہ کی طرف عتاب نازل ہوا، فرمایا گیا: ''اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو فدیہ تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔'' (۸:۶۸)

اس قسم کی آیات جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے قرآن کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہیں، اگر بالفرض قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو ایسی آیات کو قرآن میں ہرگز جگہ نہ ملتی۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ عتاب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس فدیہ کے کھانے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اسے حلال اور پاکیزہ قرار دیا جو مشرک قیدیوں سے لیا گیا تھا۔ سورت کے اختتام پر ان لوگوں کو ایک دوسرے کا رفیق قرار دیا گیا ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ہجرت اور جہاد کرتے ہیں، ایک دوسرے کو ٹھکانہ فراہم کرتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اس سورت کی ابتداء جہاد اور غنیمتوں کے ذکر سے ہوئی تھی اور اختتام نصرت اور ہجرت کے ذکر پر ہو رہا ہے گویا کہ یہ سورت ابتداء سے اختتام تک جہاد ہی کے بیان پر مشتمل ہے۔

سورة التوبة :

سورہ توبہ مدنی ہے اور اس میں ۱۲۹ آیات اور ۱۶ رکوع ہیں، اسے سورہ براۃ بھی کہا جاتا ہے، اس سورت کا پہلا لفظ ہی ''براۃ'' ہے۔ یہ سورت ۹ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کی سرکوبی کے لیے نکلے تھے، اس غزوہ کو غزوۂ تبوک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ غزوہ سخت گرمی کے زمانے میں پیش آیا تھا، سفر بھی بہت طویل تھا، پھل پکے ہوئے تھے جو کہ ان کا اہم ذریعہ معاش تھے۔ مختصر یہ کہ یہ غزوہ اہلِ ایمان کے لیے بڑی ابتلاء اور ان کے صدق واخلاص کا امتحان تھا، اس کے ذریعے مومنوں اور منافقوں کے درمیان امتیاز بھی ہو گیا، حقیقت میں سورۂ توبہ کے بنیادی ہدف دو ہی ہیں: ایک.... مشرکین اور اہلِ کتاب کے ساتھ جہاد کے احکام بیان کرنا، دوسرے.... غزوۂ تبوک کے پس منظر میں اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کے درمیان واضح فرق کر دینا۔

جہاں تک احکامِ جہاد کا تعلق ہے تو تمہید کے طور پر ...

جہاں تک اس کے اظہار کا تعلق ہے تو عہد کے طور پر ان معاہدات سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے جو مسلمانوں نے مشرکین کے ساتھ کئے تھے، ان کے لئے انتہائی مدت چار ماہ مقرر کر دی گئی ہے، یوں ہی مشرکوں کو بیت اللہ کا حج کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ کئی بار عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے اور اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے یہود کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتے چلے آ رہے تھے۔ مشرکوں سے برأت کا اعلان کرنے کے بعد اہلِ کتاب کے ساتھ بھی قتال کی اجازت دی گئی ہے کہ مکر وفریب، عہد شکنی، منافقت اور جھوٹ ان کی فطرت میں رچ بس چکا تھا۔ یہود کا قبیلہ بنو قریظہ ہو یا بنو نضیر اور بنو قینقاع، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا، تقریباً بیس آیات میں ان کے باطنی خبث اور دسیسہ کاریوں کو طشت از بام کیا گیا ہے اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ ''اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔''

جہاں تک اس سورت کے ہدف کا تعلق ہے تو منافقوں کی علامات اور بدباطنیوں کو اس انداز میں بیان کیا گیا کہ وہ سب کے سامنے ذلیل اور رسوا ہو کر رہ گئے، اسی لئے اس سورت کا ایک نام ''سورۃ الفاضحہ'' بھی ہے یعنی رسوا کرنے والی سورت، اس سورت کے نزول سے انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے زبانی دعوے کے پردے میں چھپا رکھا تھا لیکن اس سورت نے ان کے باطن کو یوں ظاہر کیا کہ ہر کسی نے جان لیا کہ کون منافق ہے اور کون مخلص مؤمن ہے؟ منافقوں کی کمزوریوں اور عیوب کو نمایاں کرنے کا ظاہری سبب غزوۂ تبوک بنا، جہاد تو ویسے بھی جان کو جوکھوں میں ڈالنے والی عبادت ہے جبکہ غزوۂ تبوک میں وقت کی سپر پاور کے ساتھ مقابلہ تھا اور وہ بھی شدید گرمی اور فقر و فاقہ کے دنوں میں، اس غزوہ کے پسِ منظر میں منافقوں سے جو حرکتیں سرزد ہوئیں ان کا اندازہ ذیل کی چند جھلکیوں سے لگایا جا سکتا ہے، یہ جھلکیاں سورۂ توبہ کی بعض آیات ہی سے ماخوذ ہیں:

- اللہ نے پیشنگوئی فرما دی تھی کہ ''منافق قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ ضرور (تبوک کی طرف) نکل پڑتے۔'' (۹:۴۲) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو منافقوں نے جھوٹے اعذار پیش کئے۔
- سوائے چند کے باقی تمام مخلص مسلمان فوراً غزوۂ تبوک میں شرکت کے لئے تیار ہو گئے جب کہ منافقوں نے

مختلف حیلوں بہانوں سے مدینہ میں رہنے کی اجازت حاصل کرلی۔

◀ اللہ نے فرمایا کہ ان منافقوں کا جہاد میں نہ نکلنا ہی بہتر تھا، اگر بالفرض وہ شرکت کرتے تو مسلمانوں کے درمیان فتنہ فساد پھیلانے کے سوا کچھ بھی نہ کرتے۔ (۹:۴۷)

◀ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے مضحکہ خیز عذر پیش کرکے اپنے لیے استثناء حاصل کرنے کی کوشش کی، مثال کے طور پر جد بن قیس نام کے ایک صاحب کہنے لگے ''یا رسول اللہ! میں دل کا بڑا کمزور ہوں جبکہ رومیوں کی عورتیں گورے رنگ کی ہوتی ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں جہاد میں گیا تو انہیں دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوجاؤں گا۔''

(۹:۴۹)

◀ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے بغض اور حسد کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (۹:۵۰)

◀ وہ قسمیں کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ اے مسلمانو! ہم تمہیں میں سے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ (۹:۵۶)

◀ ان کی نظریں صرف مال پر ہوتی ہیں اگر مل جائے تو خوش ہوتے ہیں، اگر محروم رہیں تو اللہ کے نبی پر بھی طعنہ زنی سے باز نہیں آتے۔

◀ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کسی کی بات سن لیا کرتے تھے اس لیے وہ آپ کے بارے میں کہتے تھے کہ آپ تو ''نرے کان'' ہیں۔ (۹:۶۱)

◀ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انہیں مستقل یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسی سورت نہ نازل ہوجائے جو ان کا پول کھول دے اور ان کے قلبی راز فاش کردے۔ (۹:۶۴)

◀ ایک دوسرے کو برائی کا حکم دینا، نیکی سے روکنا اور بخل کرنا ان کی نمایاں صفات میں سے ہیں۔ (۹:۶۷)

◀ ان منافقین کی صفات اور اعمال، ماضی کے کفار جیسے ہیں۔ (۹:۶۹)

منافقوں کو کفار کے ساتھ تشبیہ دے کر قومِ نوح، عاد، ثمود، قوم ابراہیم، اصحابِ مدین اور قوم لوط کا تذکرہ کیا ہے۔

◀ دسویں پارہ کے آخر تک منافقوں ہی کا تذکرہ ہوا ہے اور ان کے بارے میں اللہ نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ اے میرے پیغمبر! ''اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، اور یہ بھی فرما دیا کہ اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو آپ اس کی نمازِ جنازہ بھی ادا نہ فرمائیں۔ (۹:۸۴)

﴿ گیارھویں پارہ کے اہم مضامین ﴾

دسویں پارہ کے آخر میں ان منافقوں کا تذکرہ تھا جنہوں نے مالی وسائل اور سواری کی استطاعت رکھنے کے باوجود غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، گیارھویں پارہ کی ابتداء میں بھی اہلِ نفاق کا تذکرہ ہے، اللہ نے اپنے نبی کو تبوک سے واپسی پر راستہ ہی میں اطلاع دے دی تھی کہ جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو منافق آپ کے سامنے مختلف قسم کے اعذار پیش کریں گے کہ ہم انتہائی سخت مجبوریوں کی بناء پر آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک نہ ہوسکے ورنہ ہم نے جانے کا تو پختہ ارادہ کر رکھا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور منافقوں نے قسمیں کھا کھا کر آپ کو اپنی سچائی کا یقین دلانے کی کوشش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروّت اور شرافت کی بناء پر حقیقت کو جانتے ہوئے بھی خاموشی اختیار فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار نہیں دیا، منافقوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مخلص مسلمانوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں اور جھوٹ بول کر غلط کو صحیح قرار دینے کی کوشش نہیں کرتے، درمیان میں پھر منافقوں کا ذکر آ گیا ہے جنہوں نے اسلام کو ضرر پہنچانے، کفر کے فروغ اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لیے ''مسجدِ ضرار'' تعمیر کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے افتتاح کی درخواست کی تھی مگر اللہ نے اپنے نبی کو اس مسجد میں کھڑا ہونے سے بھی منع فرما دیا۔ چنانچہ اس مسجد کو آپ کے حکم سے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ مسجدِ ضرار کے مقابلے میں مسجدِ قبا کا اور اہلِ نفاق کے مقابلے میں ان اہلِ ایمان کا تذکرہ ہے جو اپنے مال اور اپنی جانیں حصولِ جنت کے لئے اللہ کی راہ میں وقف کر چکے ہیں، ان اہلِ ایمان کی نو ایسی صفات ذکر کی گئی ہیں جو ہر مؤمن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے یعنی توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا حکم دینے والے، بُری باتوں سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے۔ (۹:۱۱۲)

غزوۂ تبوک میں شرکت سے جو لوگ محروم رہ گئے تھے ان میں تین ایسے مخلص مسلمان بھی تھے جن کے اخلاص اور

ایمان میں کوئی شک نہیں تھا، یعنی حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع، ان تینوں نے کوئی عذر نہیں تراشا بلکہ صاف صاف اعتراف کرلیا کہ پیچھے رہ جانے میں سراسر ہماری اپنی غلطی، سستی اور کاہلی کو دخل تھا، ان کے معاملہ کو الگ رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ پچاس دن تک ان کا بائیکاٹ بھی کیا گیا لیکن پھر انہیں سچ بولنے کی وجہ سے ایسا نوازا گیا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان وحی کے ذریعہ سے کیا گیا، یہ اعلان ان کے لیے اتنی بڑی بشارت تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”جب سے تمہیں تمہاری والدہ نے جنا ہے آج سے زیادہ بہتر اور مبارک دن تم پر نہیں آیا۔“ ان حضرات کی قبولِ توبہ کا ذکر آیت ۱۱۷۔۱۱۸ میں ہے۔ اگلی آیات میں اہلِ ایمان کو چار اہم باتوں کی تاکید کی گئی ہے:

پہلی یہ کہ وہ خفیہ اور علانیہ تقویٰ کو لازم پکڑے رکھیں۔ دوسری یہ کہ وہ اہلِ نفاق سے دور رہتے ہوئے صرف سچوں کی صحبت اختیار کریں۔ تیسری یہ کہ وہ رزق کی تنگی اور کشادگی میں اللہ کے رسول کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔ چوتھی بات حقیقت میں اللہ کی طرف سے وعدہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت اور اطاعت کا اللہ کی طرف سے اجر مل کر رہے گا اور یہ کہ اللہ کے دین کے لئے جس قدر مشقت اٹھائی جائے گی اتنا ہی اجر وثواب عطا ہوگا۔ (۹:۱۲۰۔۱۲۱)

جہاد کی فضیلت اور اہمیت کے باوجود حکم دیا گیا ہے کہ سارے ہی مسلمانوں کو جہاد میں نہیں چلے جانا چاہئے بلکہ کچھ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود رہنا چاہئے تاکہ آپ سے دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (۹:۱۲۲)

جہاد کے لئے ایک اہم اصول یہ بتایا گیا ہے کہ الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت جہاد کیا جائے، یعنی قریب کے کفار سے جہاد کرتے ہوئے اس کا دائرہ دور تک وسیع کیا جائے۔ (۹:۱۲۳)

سورۂ توبہ کی آخری آیات میں دوبارہ منافقین کی مذمت کی گئی ہے کہ ان حرماں نصیبوں کو قرآن سے بھی کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ فکر وعمل کے اعتبار سے ان کی نجاست ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس سورت کی آخری آیت میں اللہ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان فرمائی ہے اور آپ کے لیے اپنے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو نام منتخب فرمائے ہیں یعنی رؤف اور رحیم۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ اپنی اُمت بلکہ ساری انسانیت کے حق

میں بے حد شفیق اور مہربان تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے یہ دونام آپ کے سوا کسی کے لیے بھی جمع نہیں فرمائے۔

سورۂ یونس:

سورۂ یونس مکی ہے، اس میں ۱۰۹ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں، اس سورت میں ایمان کے بنیادی ارکان اور عقائد اور بالخصوص قرآن کریم سے بحث کی گئی ہے۔سورت کی ابتداء کتاب اللہ، اور رسول کے ذکر سے ہوتی ہے اور بتایا گیا ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سے کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ آپ کی بعثت کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول آتا رہا ہے۔اس کے بعد ربوبیت، الوہیت اور عبودیت کی حقیقت اور خالق ومخلوق کے درمیان تعلق کی بنیاد بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو رب اور خالق ہے وہی معبود بننے کے لائق ہے، کائنات کا یہ سارا نظام اس کی ربوبیت اور قدرت پر گواہ ہے۔(۱۰:۶) اس نظام اور دلائل قدرت میں غور و فکر کے بعد انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، تکذیب کرنے والے اور تصدیق کرنے والے۔تکذیب کرنے والوں کا انجام آگ اور تصدیق کرنے والوں کا انجام دائمی باغات ہیں۔(۱۰:۷)

تکذیب کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت میں عجلت ہے یہاں تک کہ یہ بعض اوقات اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لیے عذاب اور ہلاکت کی دعائیں مانگتا ہے۔(۱۰:۱۱) ان جھٹلانے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے اور اس کا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں آتے اور اللہ کے نبی سے استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ آپ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں یا اسی میں کچھ تبدیلیاں کردیں، آپ نے جواب دیا کہ مجھے اس میں سے کسی بات کا اختیار نہیں میں تو وحی کی اتباع کا پابند ہوں، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے معاذ اللہ! یہ کلام خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کردیا ہے، میں تمہارے اندر زندگی کے چالیس سال گزار چکا ہوں، تم نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے؟ یا کسی استاد سے علم حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر نہیں سنا اور نہیں دیکھا تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں یکا یک جھوٹ بولنا شروع کردوں یا ایسا معجزانہ کلام تمہارے سامنے پیش کردوں؟ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں انسانوں پر تو جھوٹ نہ بولوں اور اللہ پر جھوٹ بولنے کی جرأت کرلوں؟ آپ کی سیرت کی صفائی اور زبان کی صداقت کا یہی وہ

پہلو تھا جس کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور تھے، ابوسفیان سے زمانۂ کفر میں جب روم کے بادشاہ ہرقل نے سوال کیا تھا کہ کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم نے کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے؟ تو کافر اور مشرک ہونے کے باوجود ابوسفیان بھی اس سوال کا جواب نفی میں دینے پر مجبور ہوگیا تھا اور ہرقل نے اس کا جواب سن کر کہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولنا شروع کردے،

اگلی آیات میں مشرکین کی بت پرستی اور توحید کے دلائل مذکور ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ سختی اور مصیبت کے وقت بڑے سے بڑے مشرک بھی جھوٹے معبودوں کو بھول کر سچے معبود کو پکارنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ (۱۰:۲۲) پھر تلقین کے انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ آپ ان سے سوال کریں کہ ''تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو کون پیدا کرتا ہے؟ تو آپ پوچھئے کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو۔'' (۱۰:۳۲)

قرآن کی صداقت کے حوالے سے انہیں چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی اس جیسی کوئی سورت بنا کر دکھا دو اور اس مقصد کے لئے عرب وعجم میں سے جسے بلانا چاہتے ہو بلالو، پھر اللہ نے ان کی تکذیب کا سبب خود ہی بیان فرمادیا، وہ یہ کہ انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ جس چیز سے جاہل ہوتا ہے اور اس کی حقیقت سمجھ نہیں پاتا تو سرے سے انکار ہی کردیتا ہے۔ (۱۰:۳۹) مشرکین نے توحید، بعث بعد الموت اور قرآن کی صداقت کا جو انکار کیا تو اس کی ایک بڑی وجہ ان کی جہالت اور عدمِ علم بھی تھا۔ اس سورت میں انہیں کہیں زجر اور تنبیہ کے ساتھ اور کہیں نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں ان تینوں بنیادی عقائد کے بارے میں ہٹ دھرمی چھوڑنے اور ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن کریم کی اعلیٰ صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت، دلوں کی بیماری کی شفاء اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے، تو کہہ دیجئے کہ یہ کتاب سب اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے تو چاہئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں، یہ اس (مال ودولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔'' (۱۰:۵۷)

توحید کے دلائل، بعث بعد الموت کا یقینی ہونا اور قرآن کریم کی صداقت بیان کرنے اور مشرکین کے مزعومات

کی تردید کے بعد عبرت اور نصیحت کے لئے تین قصے بیان کئے گئے ہیں، جن میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے، جن کی عمر اور زمانۂ تبلیغ تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ طویل مگر ان کے متبعین بہت کم تھے، پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جنہوں نے فرعون جیسے خدائی کے دعویدار کا مقابلہ کیا، تیسرا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے اور انہی کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا صراحۃً نام چار جگہ آیا ہے اور دو مقامات پر انہیں ''مچھلی والے'' کی صفت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، وہ جب اپنی قوم کے ایمان سے مایوس اور اللہ کا عذاب آنے کو یقینی دیکھ کر ''نینویٰ'' کی سرزمین چھوڑ کر چلے گئے تھے، آگے جانے کے لئے جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی والوں نے سمندر میں طغیانی کی وجہ سے انہیں سمندر میں پھینک دیا، ایک بڑی مچھلی نے انہیں نگل لیا، اللہ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ رکھا، بالآخر چند روز بعد مچھلی نے انہیں ساحل پر اُگل دیا، اُدھر یہ ہوا کہ ان کی قوم کے مرد اور عورتیں، بچے اور بڑے سب صحراء میں نکل گئے اور انہوں نے آہ وزاری اور توبہ و استغفار شروع کر دیا اور سچے دل سے ایمان قبول کرلیا جس کی وجہ سے اللہ کا عذاب ان سے ٹل گیا۔ یہ تین قصے ذکر کرنے کے بعد مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ کفر وشرک سے باز نہ آئے تو قیامت سے پہلے ہی ان پر عذاب آسکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی مدد قریب ہے، یہ ہماری سنت ہے کہ ہم بالآخر اہلِ ایمان کو نجات دیتے ہیں، جیسے سورۂ یونس کی ابتداء قرآن حکیم کے ذکر سے ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہاء بھی اس سچی کتاب کی اتباع اور پیروی کے حکم پر ہو رہی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

''فرما دیجئے اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے حق (قرآن) آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو اس ہدایت کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا اور میں تم پر وکیل نہیں ہوں اور (اے پیغمبر!) آپ اسی کی اتباع کیجئے جو کلام آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

﴿پارہ ۱۲ کے اہم مضامین﴾

بارھواں پارہ دوسورتوں پر مشتمل ہے، سورۂ ھود اور سورۂ یوسف ۔ سورۂ ھود کی صرف پانچ آیات گیارھویں پارہ میں ہیں بقیہ پوری سورت بارھویں پارہ میں ہے، یہ مکی سورت ہے، اس میں ۱۲۳ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتداء میں قرآنِ کریم کی عظمتِ شان کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ اپنی آیات، معانی اور مضامین کے اعتبار سے مُحکم کتاب ہے اور اس میں کسی بھی اعتبار سے فساد اور خلل نہیں آسکتا اور نہ اس میں کوئی تعارض یا تناقض پایا جاتا ہے ۔ اس کے محکم ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس کی تفصیل اور تشریح اس ذات نے کی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے، اس کا ہر حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے اور اسے انسان کے ماضی، حال، مستقبل، اس کی نفسیات، کمزوریوں اور ضروریات کا بخوبی علم ہے ۔

کتاب اللہ کی عظمت بیان کرنے کے بعد توحید کی دعوت ہے جو عقیدہ اور یقین کی بنیاد ہے، دعوتِ توحید کے بعد دلائلِ توحید کا بیان ہے جو کہ پوری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، بتایا گیا ہے کہ ساری مخلوق کو رزق دینے والا اللہ ہی ہے، خواہ وہ مخلوق انسان ہو یا جنات، چوپائے ہوں یا پرندے، پانی میں رہنے والی مچھلیاں ہوں یا کہ زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے، آسمان اور زمین کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے لیکن جو لوگ ان دلائل میں غور وفکر نہیں کرتے اور جنہوں نے اپنی آنکھوں پر ضد اور عناد کی پٹی باندھ رکھی ہے وہ توحید کا بھی انکار کرتے ہیں اور قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے سے بھی انکار کرتے ہیں، ان منکرین کو چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر واقعی قرآن انسانی کاوش ہے تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ ۔ (۱۱:۱۳) منکرین کو تین بار چیلنج دیا گیا تھا، پہلی بار پورے قرآن کی مثال لانے، دوسری بار قرآن جیسی دس سورتیں اور تیسری بار سورۂ بقرہ میں قرآن کریم جیسی صرف ایک سورت بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا تھا لیکن تینوں بار وہ اس چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز رہے ۔

اس کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ ھود میں بیان ہوئے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

(۱) انسانوں کے دو گروہ ہیں ۔ پہلا گروہ وہ ہے جن کی زندگی اور جہد وعمل کا ہدف صرف دنیا ہے، وہ ہر وقت

اسی زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور بھی بھولے سے بھی انہیں آخرت یاد نہیں آتی، دوسرا توفیق یافتہ گروہ وہ ہے جو دنیا کے لئے بھی تگ ودو کرتا ہے مگر اس کی کوششوں کا محور آخرت ہے، وہ اخروی زندگی ہی کو سامنے رکھ کر دنیا کی زندگی گذارتا ہے۔ (۱۱:۱۵-۱۷) پہلے گروہ کی مثال اندھوں اور بہروں جیسی ہے اور دوسرے گروہ کی مثال بینائی اور شنوائی کی نعمت سے سرفراز لوگوں جیسی ہے۔

(۲) قرآن کریم کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ دلائل کے ذریعہ کفار اور مشرکین کے نظریات کی تردید کے بعد گزشتہ اقوام اور انبیاء کے واقعات اور قصص بیان کرتا ہے، ایسا کرنے سے دلائل کی تاکید بھی ہو جاتی ہے اور کلام میں تفنن اور تنوع بھی پیدا ہو جاتا ہے، انسان کی طبیعت تنوع پسند ہے، اللہ تعالیٰ نے جیسے تکوینی آیات یعنی اس حسی اور مادی جہان میں تنوع کا لحاظ رکھا ہے یوں ہی تشریعی آیات یعنی قرآن میں بھی اس کا لحاظ رکھا ہے، آپ حسی جہاں میں دیکھیں تو لمحہ بہ لمحہ مناظر، موسم اور اوقات بدلتے جاتے ہیں، کہیں پھول، کہیں کانٹے، کہیں بلند وبالا پہاڑ، کہیں ہموار میدان، کہیں دریاؤں کی سرکش موجیں، کہیں اُڑتی ہوئی خاک، پھر کبھی سردی کبھی گرمی، کبھی بہار کبھی خزاں، کبھی صبح کبھی دوپہر اور کبھی شام، یوں ہی اس تشریعی جہاں میں مضامین بدلتے رہتے ہیں، احکام کے ساتھ اخبار، دلائل کے ساتھ قصص و واقعات، مواعظ کے ساتھ جنت اور جہنم کے مناظر، بشارت کے ساتھ انذار اور وعدوں کے ساتھ وعیدوں کا بیان ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے، اور کلام ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف، ایک منظر سے دوسرے منظر کی طرف، ایک قصہ سے دوسرے قصہ کی طرف اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے اور پڑھنے سننے والا اُکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

سورۂ ہود میں بھی قرآن کے اس خاص انداز کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے، پہلے قرآن کی صداقت اور توحید ورسالت کی حقانیت کے دلائل ذکر کئے گئے، اس کے بعد حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصے بیان کئے گئے ہیں، یہ تمام قصے وحی کے اثبات، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی اور قرآن کے معجزہ ہونے کو بیان کرنے کے لئے لائے گئے ہیں، مشرکینِ مکہ بخوبی جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمی ہیں، آپ نہ قرأت جانتے ہیں نہ ہی کتابت سے آشنا ہیں اور نہ ہی آپ نے کسی کی شاگردی اختیار کی لیکن اس کے باوجود اتنی صحت، باریکی اور کامل درجہ کی درستگی کے ساتھ ان

واقعات کو بیان کرنا ، وحی کے بغیر کیسے ممکن تھا، خود قرآن نے اس نقطے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے انبیاء اور مرسلین کے واقعات بیان کرنے کے بعد عام طور پر وحی اور نبوت کا تذکرہ کیا ہے، زیرِ نظر سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا ہے: ''یہ (حالات و واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں، اس سے پہلے نہ تو تم ان کو جانتے تھے اور نہ ہی تمہاری قوم جانتی تھی، پس صبر کرو کہ پرہیزگاروں ہی کا انجام اچھا ہوتا ہے۔'' (۱۱:۴۹)

یوں ہی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''یہ (پرانی) بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ان میں بعض بستیاں تو باقی ہیں اور بعض تہس نہس ہوگئیں۔'' (۱۱:۱۰۰) ان واقعات میں ایک طرف تو عقل، فہم اور سمع و بصر رکھنے والوں کے لئے بے پناہ عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور دوسری طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص اہلِ ایمان کے لئے تسلی اور ثابت قدمی کا سامان اور سبق ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرعون کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بے شک دکھ دینے والی اور سخت، ان (قصوں) میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے۔'' (۱۱:۱۰۲۔۱۰۳)، گویا یہ بتا دیا گیا کہ جس اللہ نے کل کی نافرمان بستیوں پر عذاب نازل کیا تھا وہ آج بھی سرکش قوموں کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے، اسی طرح آیت ۱۱۶ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عام طور پر کسی قوم پر اللہ کا عذاب اس وقت نازل ہوتا ہے جب اس کے اندر دو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ ایسے دردمند اور ہوشمند لوگ نہیں رہتے جو انہیں فتنہ وفساد سے منع کریں اور دوسری خرابی یہ کہ وہ قوم حد سے زیادہ عیش پرستی اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے لئے تسلی اور صبر واستقامت کے پہلو کو مذکورہ واقعات کے بعد اس سورت کی اختتامی آیات میں بیان کیا گیا ہے، آیت ۱۲۰ میں ہے: ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) انبیاء کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ان کے ذریعے ہم تمہارے دل کو مضبوط رکھتے ہیں اور ان قصوں میں تمہارے پاس حق آ گیا ہے اور مومنوں کے لئے نصیحت اور عبرت ہے۔''

سورۂ یوسف:

سورۂ یوسف مکّی ہے، اس میں ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لئے اسے سورۂ یوسف کا نام دے دیا گیا، قرآن کریم میں دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں تکرار پایا جاتا ہے، لیکن یہ تکرار کھٹکتا نہیں ہے، ہر جگہ نئے الفاظ، نئی تعبیر، کوئی نہ کوئی نیا سبق، نئی عبرت اور نئی نصیحت پائی جاتی ہے۔ یہ واقعات چھوٹے چھوٹے خوبصورت ٹکڑوں کی صورت میں پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں، ان ٹکڑوں کو جوڑنے سے پورا واقعہ سمجھ میں آتا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں تکرار نہیں، یہ واقعہ اول سے آخر تک پورے کا پورا سورۂ یوسف ہی میں مذکور ہے، دوسری سورتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نام تو آیا ہے لیکن ان کے واقعہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی کسی دوسری سورت میں مذکور نہیں ہے، اہلِ علم نے کہا ہے کہ مخالفین نہ تو قرآن کے ''مکرر'' قصوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ''غیر مکرر'' قصوں کا، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو خود قرآن نے ''احسن القصص'' قرار دیا ہے کیونکہ اس قصے میں جتنی عبرتیں اور نصیحتیں پائی جاتی ہیں وہ شاید ہی کسی دوسرے قصے میں پائی جاتی ہوں، جامعیت کے اعتبار سے دیکھیں تو اس میں دین بھی ہے دنیا بھی ہے، توحید و فقہ بھی ہے اور سیرت و سوانح بھی، خوابوں کی تعبیر بھی ہے اور سیاست و حکومت کے رموز بھی، انسانی نفسیات بھی ہیں اور معاشی خوشحالی کی تدبیریں بھی، حسن و عشق کی حشر سامانی بھی ہے اور زہد و تقویٰ کی دستگیری بھی، اس میں انبیاء اور صالحین کا تذکرہ بھی ہے اور ملائکہ اور شیاطین کا بھی، جنوں اور انسانوں کا بھی تو چوپاؤں اور پرندوں کا بھی، بادشاہوں، تاجروں، عالموں اور جاہلوں کے حالات بھی ہیں تو راہِ راست سے ہٹ جانے والی عورتوں کی حیلہ سازی، مکاری اور حیا باختگی بھی، پھر اس قصہ میں مد بھی ہے، جزر بھی، گمنامی بھی ہے اور شہرت بھی، غربت بھی ہے اور ثروت بھی، عزت بھی ہے اور ذلت بھی، صبر و ثبات بھی ہے اور بندگیِ شہوات بھی۔

ایک بڑی خوبی جو اس قصہ میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قصے کے ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مخالفین کے حال اور مستقبل کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے، قصہ یوسف علیہ السلام کی طرح ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریشی بھائیوں نے حسد کیا، قتل کے مشورے کئے

[illegible] قریشی بھائیوں کے [illegible] آپ [illegible] یہاں تک کہ آپ کو غارِ ثور میں
روپوش ہونا پڑا، وہاں سے مدینہ ہجرت فرما گئے، وہاں بتدریج آپ کو عروج حاصل ہوا یہاں تک کہ آپ پہلی اسلامی مملکت کے سربراہ بن گئے، مکہ فتح ہوا تو قریشی بھائی نادم وشرمندہ ہوئے آپ کو سرافگندہ ہونا پڑا، اسے حسنِ اتفاق کہئے یا عہد اور قصد کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا: ''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، جاؤ تم آزاد ہو تم پر کوئی الزام نہیں۔''

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اس قدر مشہور ہے کہ حقیقی مسلمان گھرانوں کے بچوں تک کو ازبر ہے اس لئے اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اجمالی طور پر ہم اسے بیان کرکے ان بصائر وعبر کو بیان کرنے پر خصوصی توجہ دیں گے جو اس قصہ سے ہم کو حاصل ہوتی ہیں، چونکہ سورۂ یوسف بارھویں اور تیرھویں دونوں پاروں میں آئی ہے اور یہ قصہ تسلسل کے ساتھ بیان ہوا ہے، اس لئے ہم اس تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے پہلے پورے قصے کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور پھر عبرتوں اور نصیحتوں کو بیان کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام ان میں سے غیر معمولی طور پر حسین تھے، ان کی سیرت اور صورت دونوں کے حسن کی وجہ سے، والدِ گرامی قدر ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اس محبت کی وجہ سے بھائی حسد میں مبتلا ہوگئے، وہ اپنے والد کو تفریح کا کہہ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے اور آپ کو کنویں میں گرادیا، وہاں سے ایک قافلہ گزرا، انہوں نے پانی نکالنے کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا تو اندر سے آپ نکل آئے، قافلہ والوں نے مصر جا کر بیچ دیا، عزیزِ مصر نے خرید کر اپنے گھر میں رکھ لیا، جوان ہوئے تو اس کی بیوی آپ پر فریفتہ ہوگئی، اس نے برائی کی دعوت دی، آپ نے اس کی دعوت ٹھکرادی، عزیزِ مصر نے بدنامی سے بچنے کے لئے آپ کو جیل میں ڈلوادیا، قید خانے میں بھی آپ نے دعوتِ توحید کا سلسلہ جاری رکھا جس کی وجہ سے قیدی آپ کی عزت کرتے تھے، بادشاہِ وقت کے خواب کی صحیح تدبیر بتانے کی وجہ سے آپ اس کی نظروں میں جچ گئے، اس نے آپ کو خزانے، تجارت اور مملکت کا خود مختار وزیر بنادیا، مصر اور گردوپیش میں قحط کی وجہ سے آپ کے بھائی غلہ حاصل کرنے کے لئے مصر آئے، ایک دو ملاقاتوں کے بعد آپ نے انہیں بتادیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں، پھر آپ کے والدین بھی مصر آگئے اور سب یہیں آکر آباد ہوگئے۔

﴿پارہ ۱۳ کے اہم مضامین﴾

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اجمالی طور پر عرض کیا جا چکا ہے، اب اس قصہ سے جو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں وہ عرض کی جاتی ہیں لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان عبرتوں اور نصیحتوں کا تعلق اس قصہ کے صرف اس حصہ سے نہیں ہے جو تیرھویں پارہ میں آیا ہے بلکہ مجموعی طور پر پورے واقعے سے جو بصائر وعبر حاصل ہوتے ہیں وہ ذیل میں بالترتیب لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ بعض اوقات مصیبت، نعمت اور راحت تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی ابتداء تو المناک پریشانیوں سے ہوئی، انہیں کنویں میں بے یارو مددگار ڈال دیا گیا، مصر میں غلاموں کی منڈی میں ان کی خرید وفروخت ہوئی، عورتوں کے فتنہ کا سامنا کرنا پڑا، کئی سال تک جیل کی کال کوٹھڑی میں بند رہے لیکن انجام یہ ہوا کہ وہ مصر کے حکمراں بنے اور انہیں دینی اور دنیاوی عزت نصیب ہوئی۔

۲۔ حسد انتہائی خوفناک بیماری ہے، سگے بھائیوں میں بھی یہ بیماری پیدا ہو جائے تو افسوسناک واقعات جنم لیتے ہیں۔

۳۔ اچھے اخلاق، اعلیٰ اوصاف اور بہتر تربیت بہر حال اپنا رنگ دکھا کر رہتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت ایک عظیم باپ کے ہاتھوں خاندانِ نبوت میں ہوئی تھی اور آباء واجداد کی اخلاقی میراث میں سے آپ نے بھی وافر حصہ پایا تھا، مثالی تربیت اور اخلاقی کمال ہی کی وجہ سے آپ مصائب وشدائد کے سامنے بڑی پامردی سے کھڑے رہے، جس کی وجہ سے کلفت کے بعد راحت کا اور ظاہری ذلت کے بعد حقیقی عزت کا دور آ کر رہا۔

۴۔ عفت وامانت اور استقامت ساری بھلائیوں کا سرچشمہ ہے، مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی، یونہی دین پر جمے رہنے والوں کو ایک نہ ایک دن عزت اور احترام حاصل ہو کر رہتا ہے اور حقیقت اور حق کو جتنا بھی چھپایا جائے، بالآخر وہ ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

۵۔ مرد اور عورت کا اختلاط اور خلوت میں میل جول فتنہ کا باعث ہوتا ہے، نہ زلیخا کو خلوت میسر آتی اور نہ ہی وہ بُرائی کی منصوبہ بندی کرتی، اسی لئے اسلام نے مرد وزن کے خلوت میں ملنے کو حرام قرار دیا ہے،، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ ''جب مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے ساتھ تیسرا فرد شیطان ہوتا ہے۔''

۶۔ ذاتِ باری پر ایمان اور عقیدہ کی پختگی سے مصائب کا برداشت کرنا اور اخلاقی نجاستوں سے دامن کا بچانا آسان ہو جاتا ہے۔

۷۔ مؤمن کو چاہئے کہ وہ ہر تنگی اور پریشانی کے وقت صرف اللہ کی طرف رجوع کرے۔ جب عزیزِ مصر کی بیوی نے بُرائی کا ارتکاب نہ کرنے کی صورت میں جیل کی دھمکی دی تھی تو آپ نے معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے رب کو پکارا تھا ''اے میرے رب جیل مجھے اس بُرائی سے زیادہ محبوب ہے جس کی دعوت زنانِ مصر مجھے دیتی ہیں۔''

۸۔ سچا داعی، انتہائی مشکل اور پریشان کن حالات میں بھی دعوت کے فریضہ سے غافل نہیں ہوتا، سیدنا یوسف علیہ السلام جیل میں بھی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، جو لوگ آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے آئے، ان کو بھی آپ نے پہلے توحید کی دعوت دی اس کے بعد خواب کی تعبیر بتلائی اور کہا جاتا ہے کہ جیل کے قیدیوں نے آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان قبول کر لیا تھا، خود مصر کا بادشاہ بھی اسلام لے آیا تھا۔

۹۔ ہر مسلمان کو عموماً اور داعی اور پیشوا کو خصوصاً اپنے دامن کی صفائی کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، حضرت یوسف علیہ السلام کو کئی سال بعد جب رہائی نصیب ہوئی تو آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک کہ آپ کی برأت اور طہارت کا اعلان اور اعتراف نہ کر لیا جائے، تا کہ کل کو آپ کو یہ طعنہ نہ دیا جائے کہ معاذ اللہ! تھے تو مجرم مگر رحم اور ترس کھاتے ہوئے رہا کر دیا گیا۔

۱۰۔ اس واقعہ سے صبر کی فضیلت اور اس کے بہترین نتائج کا بھی یقین آ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں کی تاریکی سے جیل کی تنہائی تک اور عزیزِ مصر کے گھر سے بھائیوں کو معاف کرنے تک ہر جگہ مضبوطی کے ساتھ صبر کا دامن تھامے رکھا، اس صبر کے جو نتائج سامنے آئے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر، راحتوں اور نعمتوں کے دروازے کی چابی، نصف ایمان اور اللہ کی نصرت اور رحمت کو متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

۱۱۔ اس قصہ کے مطالعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور طہارت کی کئی شہادتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی شہادت رب العالمین کی ہے، دوسری شہادت شیطان کی ہے کیونکہ شیطان نے باری تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کہا تھا ''تیری عزت کی قسم میں سب (انسانوں) کو گمراہ کردوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں۔'' اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مخلص اور منتخب تھے لہٰذا انہیں راہ راست سے ہٹانا خود شیطان کے بقول ممکن ہی نہ تھا۔

تیسری شہادت خود حضرت یوسف علیہ السلام کی، ابھی گزرا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا ''اے میرے رب! مجھے

میں زیادہ محبوب ہے اس برائی سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں

چوتھی شہادت عزیزِ مصر کی بیوی کی ہے جب اس نے واضح طور پر کہا تھا ''اب حق واضح ہوگیا، میں نے اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور یہ سچوں میں سے ہے''

پانچویں شہادت عزیزِ مصر کے خاندان کے اس فرد کی ہے جس نے کہا تھا ''اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ سچی ہے اور یوسف (معاذاللہ) جھوٹوں میں سے ہے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے'' جب دیکھا گیا تو آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔

چھٹی شہادت ان زنانِ مصر کی ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، انہوں نے آپ کے کردار کی صفائی کی گواہی دیتے ہوئے کہا تھا ''ہمیں یوسف کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں ہے''

ان تمام شہادتوں سے قطعی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ثابت ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی سیاہ دل آپ کی طرف برائی کی نسبت کرتا ہے تو اس سے بڑا جاہل اور غبی کوئی نہیں۔

۱۲۔ بارہویں نصیحت اس قصہ سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کسی کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کرلے تو اس کی تقدیر اور فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر کسی کے ساتھ خیر اور عزت کا فیصلہ کرلے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

سورۂ یوسف کا اختتام اس آیت پر ہوا ہے ''ان کے قصے میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے خود بنالیا جائے بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے (نازل) ہوئی ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے'' گویا اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر تخت پر بٹھا سکتا ہے وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عزت عطا کرے اور ان کے لائے ہوئے دین کو تمام ادیان پر غالب کردے۔

سورۃ الرعد

سورۂ رعد مکی ہے، اس میں ۴۳ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس سورت میں تینوں بنیادی عقائد توحید، نبوت اور بعث بعدالموت سے بحث کی گئی ہے، اس سورت کی پہلی آیت میں قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر ہے، یہ نکتہ قابلِ غور رہے کہ جن سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے ان کی ابتداء میں عام طور پر قرآن کریم کا ذکر ہوتا ہے، جس سے اس قول کو تقویت حاصل ہوتی ہے جس کے مطابق حروفِ مقطعات ان مخالفین کو چیلنج کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں جو قرآن مجید کو معاذاللہ انسانی کاوش قرار دیتے ہیں۔ اس سورت میں جو اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سورت کی ابتداء میں اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں کہ آسمانوں اور زمین،

سورج اور چاند، رات اور دن، پہاڑوں اور نہروں، غلہ جات اور مختلف رنگوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے پھلوں کو پیدا کرنے والا وہی ہے اور موت اور زندگی، نفع اور نقصان اس اکیلے کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ قیامت کے دن میں بعث وجزاء کو ثابت کیا گیا ہے اور یہ کہ جو لوگ قیامت سے پہلے ہی عذاب کے طلب گار ہیں ان پر دنیا ہی میں عذاب واقع ہو سکتا ہے۔ (۶-۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اللہ کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔

۴۔ ایک اصولی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ کسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی معاملہ ہوتا ہے وہ اپنے معاملے کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ اس قوم کے حالات نہیں بدل جاتے، جب وہ قوم خود ہی اپنے آپ کو نعمت کی بجائے نعمت اور کشائش کی بجائے تنگی کا مستحق بنا لیتی ہے تو پھر اللہ بھی اپنا معاملہ بدل دیتا ہے۔

۵۔ باطل اور اہلِ باطل کو اس سیلابی جھاگ سے تشبیہ دی گئی ہے جو بظاہر ہر چیز پر چھائی ہوئی ہو لیکن بالآخر سوکھ کر زائل ہو جاتی ہے۔ حق اور اہلِ حق کو اس سونے اور چاندی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو زمین پر ٹھہرا رہتا ہے، پھر آگ میں تپ کر بالکل خالص ہو جاتا ہے اور میل کچیل اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ (۱۷)

۶۔ اہلِ تقویٰ اور حقیقی عقلمندوں کی آٹھ صفات بتائی گئی ہیں ● وہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ ● جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑے رکھتے ہیں۔ ● اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ ● برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔ ● اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں۔ ● نماز قائم کرتے ہیں۔ ● اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ ● برائی کا جواب بھلائی اور اچھائی سے دیتے ہیں۔ (۲۴-۲۰)

ان کے مقابلے میں اشقیاء کی تین نمایاں علامات ہیں پہلی یہ کہ وہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں، دوسری یہ کہ اللہ نے جن رشتوں کو ملانے کا حکم دیا ہے وہ انہیں توڑتے ہیں اور تیسری یہ کہ وہ زمین میں فساد کرتے ہیں۔ (۱۳/۲۵)

۷۔ انبیاء بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہوتے ہیں، ان کے بیوی بچے بھی ہوتے ہیں، جہاں تک ان کے معجزات کا تعلق ہے تو یہ ان کا ذاتی کمال نہیں ہوتا، بلکہ یہ اللہ کے حکم سے صادر ہوتے ہیں، وہ لوگ مقامِ نبوت سے ناواقف ہیں جو بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

۸۔ سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نبوت ورسالت کی خود شہادت دی ہے، اسی طرح وہ اہلِ کتاب بھی آپ کی نبوت کے گواہ ہیں جو تعصب سے پاک ہیں۔

سورۂ ابراہیم:

سورۂ ابراہیم مکی ہے اس میں ۵۲ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا بھی حروف مقطعات سے ہوئی ہے، حروفِ مقطعات والی دوسری سورتوں کی طرح اس سورت کے آغاز میں بھی قرآن کریم کا ذکر ہے اور اس کی پہلی آیت میں نزولِ قرآن کی حکمت اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ''یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالو، اپنے رب کے حکم سے یعنی غالب اور قابلِ تعریف ذات کے راستے کی طرف''

سورۂ ابراہیم میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں۔

۱۔تینوں بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور بعث وجزاء پر ایمان سے بحث کی گئی ہے۔

۲۔کافروں کی مذمت اور ان کے لیے جہنم کی وعید ہے، جبکہ مومنوں کے لیے جنت کے وعدے ہیں۔ (آیت ۲-۲۳، ۲۸-۳۱)

۳۔حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے بتایا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے اعراض وانکار اور عداوت ومخالفت کا یہی رویہ اختیار کیا تھا جو آپ کی قوم اختیار کیے ہوئے ہے۔ (آیت ۹-۱۲، ۱۳-۱۸)

۴۔اللہ تعالیٰ کا دستور اور وعدہ یہ ہے کہ وہ شکر کرنے والوں کو اور زیادہ دیتا ہے اور ناشکری کرنے والوں کے لیے اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (۷)

۵۔اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعائیں خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں جو انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اہلِ مکہ، اپنی اولاد اور خود اپنے خاندان کے لیے کی تھیں، ان دعاؤں میں انہوں نے امن، رزق، دلوں کے میلان، اقامتِ صلوٰۃ اور مغفرت کی درخواست کی تھی۔ (آیت ۳۵-۴۱)

۶۔حق اور ایمان کے حکم کو شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) کے ساتھ اور باطل اور ضلالت کے حکم کو شجرہ خبیثہ (ناپاک درخت) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کلمہ طیبہ جب واقعی دل میں اتر جائے تو اس کی جڑ بڑی مضبوط اور اس کا پھل بڑا شیریں ہوتا ہے، جب کہ کلمۂ خبیثہ کے لیے قرار بھی نہیں ہوتا اور وہ ہوتا بھی بے ثمر ہے۔ (۲۴-۲۷)

۷۔سورۂ ابراہیم کے آخری رکوع میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے اور جہنم کے ہولناک عذابوں کا تذکرہ ہے۔

۸۔جیسے اس سورت کا آغاز نزولِ قرآن کی حکمت کے بیان سے ہوا تھا، اسی طرح اس کی آخری آیت میں اس کا مقصدِ نزول بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ''یہ قرآن لوگوں کے لیے اللہ کا پیغام ہے تاکہ اس سے انہیں ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت حاصل کریں۔'' (۵۲)

﴿پارہ ۱۴ کے اہم مضامین﴾

سورۃ الحجر

سورۂ حجر مکی ہے اس میں ۹۹ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس میں چونکہ وادیِ حجر کے رہنے والوں یعنی قومِ ثمود کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورۃ الحجر ہے، وادیِ حجر، مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے، اس سورت کی صرف پہلی آیت تیرھویں پارہ میں ہے باقی پوری سورت چودھویں پارہ میں ہے۔ اس سورت کا آغاز بھی حروف مقطعات سے ہوتا ہے اور پہلی آیت میں قرآن کریم کی تعریف اور توصیف ہے، اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات ہے۔ اس سورت کے اہم مضامین درجِ ذیل ہیں:

۱۔ قیامت کے دن کفار جب عذاب کی شدت اور ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے تو وہ آرزو کریں گے کہ اے کاش! ہم مسلمان ہوتے، لیکن ظاہر ہے کہ اس دن کا ایمان اور ایمان کی تمنا کسی کام نہیں آئے گی جبکہ آج ان کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا رسول انہیں ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے تو وہ اسے مجنوں و دیوانہ کہتے ہیں اور انہوں نے دعوت کے مقابلے میں انکار اور استہزاء کا وہی رویہ اختیار کئے رکھا جو گزشتہ نافرمان قوموں نے اختیار کیا تھا۔

۲۔ قرآن کریم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ جبکہ دوسری آسمانی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے حاملین کو سونپی گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ دوسری آسمانی کتابیں انسانی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکیں جب کہ قرآن کئی صدیاں گزرنے کے باوجود ہر طرح کے تغیر و تبدل اور کمی بیشی سے پاک اور محفوظ ہے۔

۳۔ اس سورت کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں جو چیخ چیخ کر اپنے خالق کے وجود اور اس کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ دلائل آسمانوں، زمینوں، چاند ستاروں، پہاڑوں اور میدانوں، سمندروں اور نہروں، درختوں اور پرندوں غرضیکہ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں، کہیں فرمایا گیا: ''ہم ہی نے آسمان میں بُرج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو سجا دیا۔'' (آیت ۱۶)

دو آیتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''اور زمین کو بھی ہم ہی نے پھیلا دیا اور اس پر پہاڑ بنا کر رکھ دیئے اور اس میں ہر مناسب چیز اُگائی۔'' (آیت ۱۹)

کہیں فرمایا گیا: ''ہم ہی پانی سے بھری ہوئی ہوائیں چلاتے ہیں اور ہم ہی آسمان سے بارش برساتے ہیں اور ہم ہی تم کو اس کا پانی پلاتے ہیں اور تم اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔'' (آیت ۲۲)

تخلیقِ انسان:

۳۔توحید اور قدرت کے تکوینی دلائل ذکر کرنے کے بعد انسان کی تخلیق کی ابتداء کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کہ اس دنیا کے پہلے انسان ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی صورت میں سامنے آیا، آپ کی پیدائش یقیناً ربانی قدرت کے مظاہر میں سے ایک مظہر تھی، کیونکہ بے جان مٹی سے ایک ایسی شخصیت پیدا کر دینا جسے حرکت کرنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سوچنے سمجھنے، عناصر کو مسخر کرنے اور امکانات کی دنیا میں آگے بڑھنے کی قدرت حاصل ہے، یقیناً اللہ کے قادر اور حکیم ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ایک فرد کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا قصہ ہے، جس وقت اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اپنی قدرت کے اسرار اور حکمت کے عجائبات ان پر کھولے تو ان تمام امور میں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم تھی اسی طرح ان کی اولاد کی بھی تکریم تھی۔فرشتوں کو جب سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر دیا۔اہل علم کے نزدیک راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جن تھا البتہ فرشتوں کے درمیان رہتا تھا، سجدہ سے انکار کی وجہ سے اسے آسمانوں سے نکال دیا گیا اور وہ ابدی لعنت کا مستحق ٹھہرا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے انتقام لینے کے لئے قیامت کے دن تک زندگی کی مہلت مانگی اور یہ مہلت اسے دے دی گئی۔ یہ مہلت اس نے اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے لئے مانگی تھی اور اپنے اس مقصد کا اس نے کسی لگی لپٹی کے بغیر اظہار کر دیا تھا، اس نے کہا تھا: ''پروردگار! جیسے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں لوگوں کے لئے گمراہی کو آراستہ کردوں گا اور سب کو بہکا دوں گا۔'' (آیت:۳۹)

اسے کہہ دیا گیا تم سے جو کچھ ہوسکتا ہے کرلو، جو میرے بندے ہیں ان پر تو تمہارا کوئی داؤ نہیں چلے گا البتہ جو ابدی شقی اور فطرت کے خبیث ہیں وہ تمہاری اتباع کریں گے اور ان کے لئے میں نے جہنم تیار کر رکھی ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے جماعتیں تقسیم کردی گئی ہیں۔'' (آیت:۴۴)

چونکہ قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور دوزخ کے ساتھ جنت کا بھی تذکرہ کرتا ہے اس لئے شیطان کی اتباع کرنے والوں کے تذکرہ کے بعد ان سعادت مندوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو امن اور سلامتی کی

جگہ یعنی جنت میں ہوں گے، وہاں انہیں نہ تھکاوٹ ہوگی نہ کوئی تکلیف اور پریشانی، ان کے سینے ایک دوسرے کے بارے میں صاف ہوں گے۔

۴۔اللہ کی رحمت اور فضل واحسان کے بعد حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ ہے جو انسانی شکل میں نورانی فرشتے تھے اور آپ کو بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لئے آئے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر کم وبیش ۱۲۰ سال تھی، اہلیہ بھی بہت بوڑھی تھیں، بظاہر یہ ولادت کی عمر نہ تھی اس لئے آپ کو بیٹے کی خوشخبری سن کر خوشی ہوئی اور تعجب بھی ہوا۔آپ نے فرشتوں کے سامنے تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا: ''ہم آپ کو سچی خوشخبری سنارہے ہیں پس آپ مایوس نہ ہوں۔'' (آیت: ۵۵) آپ نے جواب میں فرمایا (میں اللہ کی رحمت سے کیوں مایوس ہونے لگا) ''اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا تو صرف گمراہوں کا کام ہے۔'' (آیت:۵۶)

قوم لوط اور قوم صالح علیہما السلام پر عذاب:

۵۔فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری سنا کر حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے درخواست کی کہ آپ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر رات ہی کو اس بستی سے نکل جایئے کیونکہ آپ کی بستی والے گناہوں کی سرکشی میں اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''سو ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا اور ہم نے اس شہر کو اُلٹ کر نیچے کا اوپر کر دیا اور ان پر کنکر کی پتھریاں برسائیں۔'' (آیت:۷۴)

۶۔وادی حجر کے رہنے والوں یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم بھی ظلم اور زیادتی کی راہ پر چل نکلی تھی اور بار بار سمجھانے کے باوجود بت پرستی کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہورہی تھی، انہیں مختلف معجزات بھی دکھائے گئے بالخصوص پہاڑی چٹان سے اونٹنی کی ولادت کا معجزہ، جو کہ حقیقت میں کئی معجزوں کا مجموعہ تھا: اونٹنی کا چٹان سے برآمد ہونا، نکلتے ہی اس کی ولادت کا قریب ہونا، اس کی جسامت کا غیر معمولی بڑا ہونا، اس سے بہت زیادہ دودھ کا حاصل ہونا، لیکن ان بدبختوں نے اس معجزہ کو بھی کوئی وقعت نہ دی، بجائے اس کے کہ وہ اسے دیکھ کر ایمان قبول کر لیتے انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ چنانچہ وادی حجر والے بھی عذاب کی لپیٹ میں آکر رہے۔

سورۂ حجر کے آخری رکوع میں نعمتِ قرآن کا ذکر ہے کہ جسے یہ نعمت حاصل ہوجائے اسے مال داروں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی طرف جو حق نازل کیا گیا

ہے اسے کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ گویا گزشتہ سورت کی غرض اس سورت کی ابتداء اور اختتام کی غرض ان پر ہوا ہے۔

سورۃ النحل:

سورۂ نحل مکی ہے، اس میں ۱۲۸ آیات اور ۱۶ رکوع ہیں۔ نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں شہد کی مکھی کا ذکر آیا ہے اس لئے اس کا نام سورۂ نحل ہے۔ شہد کی مکھی بھی عام مکھیوں جیسی ایک مکھی ہے لیکن وہ حکمِ الٰہی سے ایسے حیرت انگیز کام کرتی ہے جن کے کرنے سے انسانی عقل عاجز ہے۔ خواہ چھتہ بنانے کا عمل ہو یا آپس میں مختلف ذمہ داریوں کی تقسیم، یا دور دراز واقع درختوں، باغات اور فصلوں سے قطرہ قطرہ شہد کا حصول .... ان کا ہر عمل بڑا ہی عجیب، ان کے بنائے ہوئے چھتے میں بیس سے تیس ہزار تک خانے ہوتے ہیں، یہ خانے مسدس ہوتے ہیں اور آج کے کسی جدید ترین آلہ سے اگر ان کی پیمائش کی جائے تو ان میں بال برابر بھی فرق نہیں ہوتا، پھر اس چھتے میں شہد جمع کرنے کا گودام، بچے جننے کے لئے ''میٹرنٹی ہوم'' اور فضلہ کے لئے اسٹور سب الگ الگ ہوتے ہیں، ہزاروں مکھیوں پر ایک ملکہ حکمرانی کرتی ہے۔ اس چھوٹی سی مملکت میں اسی کا سکہ چلتا ہے اور اسی کے حکم سے ڈیوٹیوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ چھتے پر کام کرنے والی مکھیوں میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں، بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں، بعض نابالغ بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں، بعض انجینئرنگ اور چھتوں کی تراش خراش اور تعمیر میں لگی رہتی ہیں، جب کسی مکھی کو تلاش و جستجو کے دوران کسی جگہ پر شہد کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے تو وہ واپس آ کر ایک خاص قسم کے رقص کے ذریعے دوسری ساتھیوں کو منزل تک پہنچنے کے لئے راستے کی نشاندہی کرتی ہے، لیکن یہ احتیاط ضرور کرتی ہے کہ جس پھول کو وہ نچوڑ چکی ہوتی ہے اس پر ایک خاص قسم کی نشانی چھوڑ آتی ہے تا کہ بعد میں آنے والی کارکن کا وقت ضائع نہ ہو اور اسے ''خجل خراب'' نہ ہونا پڑے، اگر کوئی مکھی غلطی سے گندگی پر بیٹھ جائے یا کوئی زہریلا مواد لے آئے تو چیکنگ پر مامور عملہ اسے باہر روک لیتا ہے اور اسے اس جرم کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جاتا ہے (اے کاش! انسان مکھی ہی سے عبرت حاصل کرے اور خوراک یا دوا کے نام پر زہر کھلانے والوں کو عبرت کا نمونہ بنا دے)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مکھی یہ سارے کام ہمارے حکم سے کرتی ہے۔'' اور فرمایا کہ ''بے شک سوچنے والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔'' (آیت: ۶۹) اگر کوئی غیر متعصب انسان مکھی کی زندگی پر ہی غور و فکر کر لے تو وہ اللہ کے وجود اور اس کی قدرت و حکمت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سورۂ نحل کو ''سورۂ نعم'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں کثرت کے ساتھ اللہ کی نعمتیں مذکور ہیں۔ سورت کی ابتداء سے مطالعہ شروع کیا جائے تو پہلے قربِ قیامت کا ذکر ہے (آیت: ۱) پھر وحی کو ثابت کیا گیا ہے جس کا مشرک انکار

کرتے ہیں (آیت:۲) پھر اللہ کی نعمتوں کے بیان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ اس نے زمین کا فرش اور آسمان کی چھت بنائی، انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، چوپائے پیدا کیے جن میں مختلف منافع بھی ہیں اور وہ اپنے مالک کے لئے فخر و جمال کا باعث بھی ہوتے ہیں، گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے جو باربرداری کے کام بھی آتے ہیں اور ان میں رونق اور زینت بھی ہوتی ہے۔ بارش وہی برساتا ہے، پھر اس بارش سے زیتون، کھجور، انگور اور دوسرے بہت سارے میوہ جات اور غلے وہی پیدا کرتا ہے، رات اور دن، سورج اور چاند کو اسی نے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے، دریاؤں سے تازہ گوشت اور زیور وہی مہیا کرتا ہے، سمندر میں جہاز اور کشتیاں اسی کے حکم سے رواں دواں ہیں، یہ اور ان جیسی دوسری نعمتیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بجا طور پر فرماتے ہیں: ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے ہو، بے شک اللہ بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔'' (آیت:۱۸)

جامع ترین آیت:

اس سورت میں وہ جامع ترین آیت ہے جس کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع ہے۔ یہ وہ آیت ہے جسے سن کر ولید بن مغیرہ جیسا دشمنِ اسلام بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا، اس کی جامعیت ہی کی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے سے اسے ہر خطیب خطبۂ جمعہ میں پڑھتا ہے، یہ سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹۰ ہے۔ اس آیت میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور تین باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے اور فحشاء (یعنی ہر قبیح قول اور عمل) منکر (ہر وہ عمل جس سے شریعت نے منع کیا ہے) اور بغی (حد سے تجاوز کر جانا جیسے تکبر، ظلم اور حسد وغیرہ) سے منع کیا گیا ہے۔

سورت کے اختتام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ زندگی بھر توحیدِ خالص پر جمے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ آپ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اللہ کی طرف بلائیں، اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب پر صبر کریں۔ سورت کی ابتدائی آیت ان لوگوں کے جواب میں نازل ہوئی تھی جو آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ ایسے فضول مطالبوں سے آپ کی طبیعت کا مکدر ہونا یقینی تھا، جبکہ آخری آیت میں آپ کو صبر کرنے اور تنگدل نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے، لہٰذا ابتداء اور انتہاء میں مناسبت بالکل واضح ہے۔

پارہ ۱۵ کے اہم مضامین

سورت الاسراء

سورۂ اسراء مکی ہے، اس میں ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، اسراء کا معنیٰ ہے رات کو لے جانا، چونکہ اس سورہ میں واقعہ معراج کا ذکر ہے جس میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا تھا اس لیے اسے سورۂ اسراء کہا جاتا ہے، یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ تھا اور آپ کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا، یہ اعزاز انسانوں میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا، یہ واقعہ بیداری کی حالت میں پیش آیا، اگر یہ نیند کی حالت میں پیش آیا ہوتا تو اسے اتنے اہتمام کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر نہ کیا جاتا اور نہ ہی مشرکین اسے جھٹلاتے، کیونکہ خواب میں تو اس واقعہ سے بھی زیادہ عجیب وغریب واقعات اور مناظر انسان دیکھتا ہے اور کوئی بھی اسے جھوٹا نہیں کہتا، اس سورت کی پہلی آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ معراج کے علاوہ جو اہم مضامین اس سورت میں بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ بنی اسرائیل کو پہلے سے بتا دیا گیا تھا کہ تم ملک شام میں دوبارہ فساد مچاؤ گے اور دونوں بار ہم بطور سزا کے تمہارے اوپر اپنے بندوں کو مسلط کردیں گے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب انہوں نے تورات کی مخالفت کی اور حضرت شعیب علیہ السلام جیسے انبیاء کو ناحق قتل کیا تو ان پر بخت نصر اور اس کے لشکر کو مسلط کردیا جو پورے ملک میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل گئے۔ انہوں نے علماء اور رؤساء کو قتل کر دیا، تورات جلا ڈالی، بیت المقدس کو ویران کر دیا اور بہت سارے اسرائیلیوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ دوسری بار یہود کا فتنہ وفساد اس وقت عروج کو پہنچ گیا جب انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا اور وہ گناہوں میں حد سے بڑھ گئے، اب کی بار بابل کا ایک بادشاہ جسے بیردوس یا خردوس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان پر مسلط کر دیا گیا۔ یہی فتنہ وفساد یہود کی تاریخ رہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی انہوں نے اپنے آباء کی روایت کے مطابق جب جرائم اور سازشوں کی راہ اختیار کی تو ان پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کر دیا جنہوں نے انہیں جزیرۂ عرب سے نکال باہر کیا۔ ماضی قریب میں ہٹلر ان کے لئے خدائی کوڑا ثابت ہوا جس نے بے شمار یہودیوں کو قتل کیا اور بے شمار کو زندہ جلا ڈالا، آج پھر ان کا فتنہ وفساد عروج تک پہنچ گیا ہے اب دیکھئے ان پر اللہ کا قہر کب نازل ہوتا ہے۔

اسلامی آداب

۲۔ قرآن کریم کی عظمت، انسان کی فطرت وطبیعت میں داخل جلد بازی اور ہر انسان کے ساتھ اس کے عمل اور نتائج عمل کے لازم ہونے کا ذکر کرنے کے بعد اجتماعی زندگی کے تقریباً ۱۳ اسلامی آداب واخلاق بیان کیے گئے ہیں، حقیقت میں اخلاق وآداب ہی کی وجہ سے کوئی امت اور فرد عزت اور عظمت کے مستحق بنتے ہیں، بعض حضرات

نے ان آداب کو معراج کا پیغام بھی قرار دیا ہے، یہ آداب جو آیت ۲۳ سے آیت ۳۹ تک مذکور ہیں، درج ذیل ہیں۔

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، والدین کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو، مال کو فضول خرچی میں نہ اڑاؤ، نہ بخل کرو نہ ہاتھ اتنا کشادہ رکھو کہ کل کو پچھتانا پڑے، اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، کسی جاندار کو ناحق قتل نہ کرو، یتیم کے مال میں ناجائز تصرف نہ کرو، وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، ناپ تول پورا پورا کیا کرو۔ جس چیز کے بارے میں تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، زمین پر اکڑ کر نہ چلو، آخر میں دوبارہ کہہ دیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ بناؤ۔

مشرکین کی باتیں

مشرکین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہیں۔ (۴۰) اخروی زندگی کا انکار کرتے ہیں اور بڑے تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر بوسیدہ ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا۔ (۴۹-۹۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں، کبھی کہتے ہیں ہم ایمان تب لائیں گے جب آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں، کبھی کہتے ہیں کھجوروں اور انگوروں کا باغ لہلہا دیں، کبھی کہتے ہیں ہمارے اوپر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ، کبھی کہتے ہیں تم اپنے لیے سونے کا گھر بنا کر دکھاؤ یا ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے کوئی تحریر لے کر آؤ۔ (۹۰-۹۳)

علاوہ ازیں اس سورت میں قرآن کریم کی عظمت وصداقت، اس کے نزول کے مقاصد اور اس کے معجزہ ہونے پر (۹-۸۲-۸۸)، اللہ کی طرف سے انسان کو تکریم دیے جانے (۶۱-۶۵)، اسے روح اور زندگی جیسی نعمت کے عطا ہونے (۸۵)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ تہجد کا حکم دیے جانے (۷۸-۷۹)، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ (۱۰۱-۱۰۴) اور قرآن کریم کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی حکمت (۱۰۵-۱۰۶) جیسے مضامین بھی مذکور ہیں۔ سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شریک اور اولاد سے پاک ہے اور وہ اسماء حسنیٰ کے ساتھ متصف ہے۔

سورت الکہف

سورۂ کہف مکی ہے، اس میں ۱۱۰ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، کہف غار کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں غار والوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اسے سورۂ کہف کہا جاتا ہے۔ اس سورت کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ امام احمد، مسلم اور نسائی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ''جو شخص سورۂ کہف کی آخری دس آیات پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا'' اہل علم کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور رات میں سورۂ کہف پڑھی جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے

گا اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان کو نور سے منور کر دیا جائے گا۔''

سورۂ کہف ان پانچ سورتوں میں سے ایک سورت ہے جن کی ابتداء الحمدللہ سے ہوتی ہے باقی چار سورتیں یہ ہیں۔ فاتحہ، انعام، سبا اور فاطر۔ حضرت مولانا علی میاں نوراللہ مرقدہ نے اس سورت کی تفسیر میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں طویل غوروفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس سورت کا موضوع ''معرکۂ ایمان و مادیت'' ہے اور اس سورت کا آخری دور کے فتنوں سے خاص تعلق ہے، جس کا سب سے بڑا علمبردار دجال ہوگا، یہ سورت مسلمانوں کو دجال کے فتنہ سے مقابلہ کے لئے تیار کرتی ہے، اس سورت میں جتنے اشارے، واقعات اور مثالیں گزری ہیں وہ سب ایمان اور مادیت کی کشمکش کو بیان کرتی ہیں۔ سورۂ کہف میں تین قصے اور تین تمثیلیں بیان ہوئی ہیں۔

اصحاب کہف

پہلا قصہ اصحاب کہف کا ہے، یہ وہ چند صاحب ایمان نوجوان تھے جنہیں دقیانوس نامی بادشاہ بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، وہ ہر ایسے شخص کو قتل کر دیا کرتا تھا جو اس کی شرکیہ دعوت کو قبول نہیں کرتا تھا، ان نوجوانوں کو ایک طرف مال و دولت کے انبار، اونچے عہدوں پر تقرر اور معیارِ زندگی کی بلندی جیسی ترغیبات دی گئیں اور دوسری طرف ڈرایا دھمکایا اور جان سے ماردینے کی دھمکیاں دی گئیں، ان نوجوانوں نے ایمان کی حفاظت کو ہر چیز پر مقدم جانا اور اسے بچانے کی خاطر نکل کھڑے ہوئے، چلتے چلتے شہر سے بہت دور ایک پہاڑ کی غار تک پہنچ گئے، انہوں نے اس غار میں پناہ لینے کا ارادہ کیا، وہ جب غار میں داخل ہوگئے تو اللہ نے انہیں گہری نیند سلا دیا، یہاں وہ تین سو نو سال تک سوتے رہے، جب نیند سے بیدار ہوئے تو کھانے کی فکر ہوئی، ان میں سے ایک کھانا خریدنے کے لئے شہر آیا، وہاں اسے پہچان لیا گیا، تین صدیوں میں حالات بدل چکے تھے، اہلِ شرک کی حکومت کب کی ختم ہو چکی تھی اور اب موحد برسرِ اقتدار تھے، ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑنے والے یہ نوجوان ان کی نظر میں قومی ہیروز کی حیثیت اختیار کر گئے، اس قصہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ مومن کو ایمان کے سلسلہ میں بڑا حساس ہونا چاہئے اور اگر خدانخواستہ مادیت اور ایمان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ آئے تو اسے بہرطور ایمان کی حفاظت ہی کو ہر مادی چیز پر ترجیح دینی چاہئے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام

دوسرا قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی کہ سمندر کے کنارے ایک ایسے صاحب رہتے ہیں جن کے پاس ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں تو آپ ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، چلتے چلتے آپ سمندر کے کنارے پہنچ گئے، یہاں آپ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی اور ان سے ساتھ رہنے کی اجازت مانگی، انہوں نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ آپ کوئی سوال نہیں کریں گے، پھر تین عجیب واقعات پیش آئے، پہلے واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی

کو پھاڑ ڈالا جس کے مالکان نے انہیں کرایہ لیے بغیر بٹھالیا تھا، دوسرے واقعہ میں ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، تیسرے واقعہ میں ایک ایسے گاؤں میں گرتی ہوئی بوسیدہ دیوار کی تعمیر شروع کر دی جس بستی والوں نے انہیں کھانا تک کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تینوں مواقع پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تیسرے سوال کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے جدائی کا اعلان کر دیا کہ اب آپ میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔ البتہ تینوں واقعات کی اصل حقیقت انہوں نے آپ کے سامنے بیان کر دی، فرمایا کشتی کا تختہ اس لیے توڑا تھا کیونکہ آگے ایک ظالم بادشاہ کے کارندے کھڑے تھے جو ہر سالم اور نئی کشتی زبردستی چھین رہے تھے، جب میں نے اسے عیب دار کر دیا تو یہ اس ظالم کے قبضے میں جانے سے بچ گئی یوں ان غریبوں کا ذریعہ معاش محفوظ رہا، بچے کو اس لیے قتل کیا کیونکہ یہ بڑا ہو کر والدین کے لیے بہت بڑا فتنہ بن سکتا تھا جس کی وجہ سے ممکن تھا وہ انہیں کفر کی نجاست میں مبتلا کر دیتا، جب کہ اللہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے انتہائی نیک والدین محض اس کی محبت میں ایمان تک سے محروم ہو جائیں۔ اس لیے اللہ نے اسے مارنے کا اور اس کے بدلے انہیں باکردار اور محبت واطاعت کرنے والی اولاد عطا فرمادی، گرتی ہوئی دیوار اس لیے تعمیر کی کیونکہ وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، ان کے والدین اللہ کے نیک بندے تھے، دیوار کے نیچے خزانہ پوشیدہ تھا، اگر وہ دیور گر جاتی تو لوگ خزانہ لوٹ لیتے اور نیک والدین کے یہ دو یتیم بچے اس سے محروم ہو جاتے، ہم نے اس دیوار کو تعمیر کر دیا تاکہ جوان ہونے کے بعد وہ اس خزانے کو نکال کر اپنے کام میں لاسکیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمارے سامنے شب وروز جو واقعات پیش آتے ہیں، کسی کو جوانی یا بچپن میں موت آجاتی ہے، کوئی کسی حادثہ کا شکار ہو کر زخمی ہو جاتا ہے، کسی کی عمارت گر جاتی ہے، کسی کا چلتا ہوا کاروبار ٹھپ ہو جاتا ہے تو ان تمام واقعات کے پس پردہ بڑی عجیب وغریب حکمتیں اور حقائق پوشیدہ ہوتے ہیں، اس دنیا کے ظاہر اور باطن میں بڑا اختلاف ہے، انسان کی نظر ظاہر میں اُلجھی رہتی ہے اور باطنی رازوں کے ادراک سے اس کی عقل قاصر رہ جاتی ہے، یہ قصہ مادیت کے ان علمبرداروں کی تردید کرتا ہے جو ظاہر ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے پسِ پردہ کسی حکیم وخبیر کی حکمت کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ تیسرا قصہ ذوالقرنین کا ہے لیکن اسے انشاء اللہ ہم سولہویں پارہ کے اہم مضامین میں ذکر کریں گے۔

تین مثالیں

ان واقعات کے علاوہ تین مثالیں بھی سورۂ کہف میں ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی مثال ایک قصہ کی صورت میں پیش کی گئی ہے، یہ قصہ ایک ایسے شخص کا ہے جو دو انتہائی ثمر بار اور قیمتی باغوں کا مالک تھا، ان باغات کے علاوہ مال ودولت کے حصول کے کئی دوسرے اسباب بھی اس کے لیے مہیا ہو گئے تھے، دولت کی کثرت نے اسے فخر اور غرور میں مبتلا کر دیا، وہ بڑے بڑے دعوے کرنے لگا، اسے یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ ثروت، غنا اسے ہمیشہ حاصل رہے گی اور اس پر کبھی بھی زوال نہیں آئے گا، اس کا خیال تھا کہ اول تو قیامت قائم ہی نہیں ہوگی اور اگر ہوئی بھی تو وہاں بھی مجھے

خوشحالی حاصل رہے گی، اس کے صاحبِ ایمان دوست نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اسباب کو خدا کا درجہ مت دو، انہیں سب کچھ نہ سمجھو اور اللہ کو ہرگز نہ بھولو، اس کائنات میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے لیکن دولت نے اس کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی کہ سورج سے بھی زیادہ یہ روشن حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آسکی، پھر اللہ کا عذاب آیا اور اس کے باغات جل کر کوئلہ ہو گئے، تباہی اور بربادی کے بعد وہ پچھتانے لگا کہ اے کاش! میں نے شرک نہ کیا ہوتا اور اسباب کو خدا کا درجہ نہ دیا ہوتا مگر اس کا پچھتاوا اس کے کسی کام نہ آیا۔

دوسری مثال جو بیان کی گئی ہے وہ خود باری تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے "اور ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر دو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر (کیا ہوا؟ یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں اور کونسی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں۔" (آیت ۴۵)

تیسری مثال تکبر اور غرور کی ہے اور اسے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے جب اس نے کبر و غرور کی وجہ سے اللہ کے حکم کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، اس کا خیال تھا کہ میں افضل ہوں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ افضل، مفضول کے سامنے سجدہ کرے۔ اس قصہ کے ضمن میں انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ کبھی بھی فخر اور گھمنڈ میں مبتلا نہ ہو اور اللہ کے حکموں کے سامنے منطق نہ لڑائے کہ بندگی کا تقاضا تسلیم و انقیاد ہے نہ کہ حجت بازی اور انکار!

پارہ ۱۶ کے اہم مضامین

سولھویں پارہ کی ابتدائی آیات میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کا بقیہ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد ذوالقرنین کی شخصیت میں مفسرین کا اختلاف ہے، بہت سے حضرات سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سکندر کو ذوالقرنین قرار دینا مشکل ہے کیونکہ یہ شخص ایمان اور خوفِ خدا سے خالی تھا جبکہ قرآن نے جس شخص کا ذکر کیا ہے وہ صرف وسائل واسباب رکھنے والا بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اندر ایمانی صفات بھی پائی جاتی تھیں اور اس نے ظالم و جابر بادشاہوں کے برخلاف اللہ کے دیئے ہوئے وسائل کو صرف انسانیت کی خدمت اور قیامِ عدل کے لیے استعمال کیا۔ بعض حضرات نے سکندر کے علاوہ دوسرے کئی بادشاہوں کو قرآن کا ذوالقرنین قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن اگر کسی شخصیت کا تعین نہ بھی ہو سکے تو بھی اس مقام کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، کیونکہ قرآن کا مقصود تاریخی تفصیلات اور جزئیات کا ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود قصہ سے پیدا ہونے والی عبرت اور نصیحت کو اپنے قارئین کی طرف منتقل کرنا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے مادی قوت بھی عطا کی تھی اور روحانی اور ایمانی طاقت بھی اسے حاصل تھی، اس کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا، وہ ایک طرف مشرق کے آخری کنارے اور دوسری طرف مغرب کے انتہائی سرے تک پہنچ گیا تھا، اپنی فتوحات کے زمانے میں اس کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو پہاڑوں کے درمیان آباد تھی اور ہمیشہ ایک وحشی قوم کے حملوں کا نشانہ بنتی تھی جسے قرآن نے یاجوج و ماجوج کا نام دیا ہے، اس مظلوم قوم کی درخواست پر ذوالقرنین نے ایک ایسی مضبوط دیوار تعمیر کر دی جس کی وجہ سے وہ یاجوج ماجوج کی یورش اور حملوں سے محفوظ ہو گئے۔ یہ دیوار قربِ قیامت میں ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور یاجوج و ماجوج پوری دنیا میں پھیل جائیں گے، ذوالقرنین مادی وسائل کی بہتات کے باوجود اللہ پر ایمان رکھتا تھا جبکہ مادیت پرست افراد اور بادشاہ ظاہری اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اس وقت مادیت کی بندگی میں پیش پیش ہونے کا سہرا مغربی تہذیب کے سر بندھتا ہے اور اس تہذیب کا جو سب سے بڑا نمائندہ ظاہر ہوگا اسے زبانِ نبوت میں دجال کہا گیا ہے اور لگتا یہ ہے کہ اس کے ظہور میں اب زیادہ دیر نہیں ہوگی کیونکہ ایمان اور مادیت کے درمیان آخری معرکہ برپا ہونے میں اب تھوڑا وقت ہی باقی رہ گیا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو دجالی تہذیب اور خود دجال کے ظہور کے وقت اپنے ایمان بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ سورۂ کہف کے اختتام پر گویا ان لوگوں کو حکم دیا گیا ہے جو صرف مادیت اور ظاہری وسائل ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتے کہ ''پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے، چاہیے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے۔'' (آیت ۱۱۰)

سورۂ مریم:

سورۂ مریم مکی ہے اس میں ۹۸ آیات اور ۶ رکوع ہیں، دوسری مکی سورتوں کی طرح سورۂ مریم میں بھی اللہ کے وجود،

توحیداور بعث و جزاء سے بحث کی گئی ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاءکرام علیہم السلام کے قصص ذکر فرمائے ہیں، سب سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے جو بوڑھے ہو چکے تھے، ہڈیاں کمزور پڑ گئی تھیں، بال سفید ہو گئے تھے، اہلیہ بوڑھی بھی تھیں اور بانجھ بھی، حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال اور اہلیہ کی عمر ۹۸ سال ہوگئی تھی۔ بظاہر اب اولاد ہونا ممکن نظر نہیں آتا تھا لیکن پھر بھی اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے اور بیٹا مانگنے سے پہلے بارگاہِ رب العالمین میں تین امور عرض کیے، پہلا یہ کہ میں بہت کمزور ہوں، دوسرا یہ کہ میں مایوس نہیں ہوں کیونکہ آپ نے کبھی بھی میری دعا رد نہیں فرمائی اور تیسرا یہ کہ اس دعا سے میرا مقصد دین کی منفعت ہے، اس کے بعد صراحتاً اپنی دینی خلافت کے لیے اللہ سے بیٹا مانگا لیکن ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی کہ ایسا بیٹا عطا فرمانا جس سے تو بھی خوش ہو اور تیرے بندے بھی خوش ہوں، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں انتہائی صالح اور عابد و زاہد بیٹا عطا فرمایا جسے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ (آیت ۱۔۱۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کرنے کے بعد اس سے بھی زیادہ عجیب قصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ہے، بے شک حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت عجیب طریقے سے ہوئی تھی جبکہ ان کے والدین توالد وتناسل کی عمر سے گزر چکے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی اور ان کی والدہ باکرہ تھیں۔ یہاں سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بتایا ہے کہ یہ عجیب وغریب واقعہ کیسے پیش آیا، کیسے حضرت مریم اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر عبادت کے لیے بیت المقدس کے مشرقی گوشے میں چلی گئیں، کیسے جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے۔ انہوں نے گریبان میں پھونکا اور انہیں حمل ٹھہر گیا، کیسے ان پر حزن وحمل کی شدید کیفیت طاری ہوئی، ولادت کے بعد بچے کو اٹھائے ہوئے جب قوم کے پاس آئیں تو یہودیوں کی زبانیں کھل گئیں، حضرت مریم نے اللہ کے حکم سے بیٹے کی طرف اشارہ کیا تو ماں کی گود میں لیٹا ہوا بیٹا بولنے لگا اور اس کی زبان سے سب سے پہلا کلمہ جو نکلا وہ یہ تھا ''انی عبد اللہ'' یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں، دنیائے رنگ وبو میں قدم رکھنے کے بعد زندگی کے اس موڑ پر جب کہ ابھی آپ بولنے کی عمر تک نہیں پہنچے تھے، معجزانہ انداز میں آپ اپنی والدہ کی پاکدامنی بتانے کے لیے بولے بھی تو آپ کی زبان سے پہلا وہ کلمہ نکلا جو آپ کے بارے میں غالی قسم کے عیسائیوں کی کھڑی کی گئی شرکیہ عمارت کو دھڑام سے گرانے کے لیے کافی ہے۔ آپ نے اپنے اسی اعجازی خطاب میں فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ نے چھ اعزازات سے سرفراز فرمایا ہے پہلاؔ یہ کہ میں بندہ ہوں، نہ رب ہوں نہ رب کا بیٹا ہوں، دوسراؔ یہ کہ مجھے وحی ونبوت عطا کی گئی ہے، تیسراؔ یہ کہ اللہ نے مجھے مبارک بنایا ہے، میرا وجود لوگوں کے لیے برکت اور رحمت کا باعث ہے، میں خیر کا معلم اور امت کے لیے نافع ہوں، چوتھاؔ یہ کہ مجھے دوسرے انبیاء کی طرح شرعی امور اور عبادات کا مکلّف بنایا گیا ہے، ان میں سے نماز اور زکوٰۃ کا آپ نے خاص طور پر ذکر فرمایا جو کہ ان دونوں عبادات کی اہمیت اور عظمت کی دلیل ہے، پانچواںؔ یہ کہ میں اپنی والدہ کا فرمانبردار اور عزیز واقارب کا

خدمتگار رہوں، میری طبیعت میں تواضع ہے، کبر وغرور نہیں ہے، چھٹا یہ کہ مجھے دنیا اور آخرت میں امن اور سلامتی کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ (آیت ۱۶۔۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی شان لی ہوئی ولادت یہود و نصاریٰ کے درمیان اختلاف کا باعث بن گئی، عیسائیوں نے انہیں ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) قرار دیا تو یہودیوں نے (معاذ اللہ) ابن زنا کہنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے بارے میں اہل کتاب کا اختلاف بیان کرنے کے بعد سورۂ مریم منتقل ہوجاتی ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی طرف جو کہ مشرک باپ کے ساتھ پیش آیا، تا کہ عقیدۂ شرک میں جو جھوٹ، کبر وغرور، جہل وعناد اور ضلالت وحماقت پائی جاتی ہے اس کی ایک جھلک دکھائی جائے یونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق واوصاف خاص طور پر ان کا حلم اور بردباری، حکمت اور دردمندی بھی نمایاں کرنا مقصود ہے تا کہ داعیانِ حق کے سامنے ایک حقیقی داعی کا سراپا آجائے جسے وہ اپنے لیے نمونہ بناسکیں، اسی طرح اس قصہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ حق کی دعوت اور حق پر استقامت کی وجہ سے حضرتِ خلیل پر کیسے بارانِ رحمت نازل ہوئی، ان کی نسل میں ایک بڑی امت پیدا ہوئی، ان کی اولاد میں انبیاء صلحاء اور بالخصوص حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور یہ بات بڑی عجیب ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت ان کی طرف اپنی نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے، سورۂ مریم بتاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع کی آنکھیں کھولیں تو اپنے والد کو بت پرستی میں مبتلا پایا، جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ نے دعوتِ توحید واصلاح کا آغاز اپنے گھر ہی سے کیا اور اپنے والد کو نرمی اور محبت سے سمجھانے کی کوشش کی، باوجود باپ کے مشرک ہونے کے آپ نے اپنی گفتگو میں ادب کا پہلو ملحوظ رکھا لیکن آپ کا والد آزر دھمکیوں پر اتر آیا اور کہنے لگا ”اگر تم (بتوں کو برا بھلا کہنے سے) باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کروں گا اور تم مجھے ایک طویل زمانے تک چھوڑ دو۔“ (آیت ۴۶) جب مسلسل دعوت کے باوجود نہ آزر راہ راست پر آیا اور نہ ہی قوم کی سمجھ میں آپ کی دعوت آئی تو آپ محض اللہ کی رضا کی خاطر عراق سے شام ہجرت فرما گئے، اللہ کے لیے قوم اور خاندان کو چھوڑنے کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی صورت میں ان سے کہیں بہتر بیٹے اور مونس وغمخوار عطا فرما دیئے۔

(آیت ۴۱۔۵۰)

اس کے بعد سورۂ مریم حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت اسمٰعیل اور حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ کرتی ہے (آیت ۵۱۔۵۸) اور بتاتی ہے کہ ان انبیاء کے جانشین ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات اور شہوات کی بندگی کا راستہ اختیار کرلیا، اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ مشرکین بعث وجزا کا انکار کرتے ہیں، انہیں جہنم کے اردگرد ضرور جمع کیا جائے گا، سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ دلوں

میں محبت پیدا کردے گا اور موجود مجرموں کو بھی پہلے مجرموں کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا۔

سورۂ طٰہٰ

سورہ طٰہٰ مکی ہے، اس میں ۱۳۵ آیات اور ۸ رکوع ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورۂ طٰہٰ، سورہ مریم کے بعد نازل ہوئی، دونوں سورتوں کے درمیان مضمون کے اعتبار سے بھی واضح مناسبت پائی جاتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو کہ سورۂ مریم میں اجمالی طور پر مذکور تھا وہ سورہ طٰہٰ میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اسی طرح سورۂ مریم میں حضرت آدم علیہ السلام کا صرف نام آیا تھا جب کہ یہاں ان کا واقعہ قدرے وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے، اس سورت میں بھی اصولِ دین سے بحث کی گئی ہے۔ ''طٰہٰ'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہاں اس کے ذریعے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔'' (آیت ۲) اصل بات یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت اور دعوت دونوں میں بے پناہ مشقت اٹھاتے تھے، راتوں کو نماز میں اتنی طویل قرأت فرماتے کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا اور پھر انسانوں تک قرآن کے ابلاغ اور دعوت میں بھی اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے تھے اور جب کوئی اس دعوت پر کان نہ دھرتا تو آپ کو بے پناہ غم ہوتا، اسی لیے رب کریم نے کئی مقامات پر آپ کو تسلی دی ہے، یہاں بھی یہی سمجھایا گیا کہ آپ اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں نہ ڈالیں، اس قرآن سے ہر کسی کا دل متاثر نہیں ہوسکتا یہ تو صرف ''اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو (دل میں اللہ کا) خوف رکھتا ہو'' یہ سمجھانے کے بعد اللہ نے اپنی بعض صفات ذکر فرمائی ہیں تاکہ آپ کو قلبی اطمینان ہو کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ میری حفاظت کرے گا اور مجھے کسی حال میں بھی تنہا نہیں چھوڑے گا، اس وضاحت کے بعد گویا نمونہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرکے بتایا گیا ہے کہ اللہ اپنے مخصوص بندوں کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظام کرتا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں دوسرے انبیاء کے مقابلے میں زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ اس میں عجیب وغریب واقعات اور ارشادات ہیں جو انسان کو اللہ کی نعمتوں اور قدرت کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں، شاید اس تکرار میں ایک حکمت یہ بھی ہو کہ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی فرعون ہوتا ہے، جس کے مقابلے کے لیے اہلِ ایمان کو مستعد رکھنا ضروری ہے، یہاں سورہ طٰہٰ میں آیت ۹ سے ۹۸ تک تقریباً مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے اور اس میں آپ کی زندگی کے بیشتر واقعات آگئے ہیں لیکن ان میں تقدیم وتاخیر ہے، مثال کے طور پر آپ کے تذکرہ کی ابتداء مدین سے واپسی، آگ دیکھنے، باری تعالیٰ سے شرفِ ہم کلامی اور نبوت ملنے کے واقعہ سے ہورہی ہے اور ولادت کے بعد صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈالنے کا واقعہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ زمانی ترتیب کے اعتبار سے پہلا واقعہ بعد میں اور دوسرا پہلے پیش آیا تھا، ایسا کرنے کی ایک بڑی وجہ تفنن ہے، یعنی ایک ہی واقعہ کو قرآنی انداز بدل بدل کر بار بار بیان کرتا ہے تاکہ پڑھنے والے اکتا بھی

نہ جائیں اور ان کی نظریں واقعے کی جزئیات تلاش کرنے کے بجائے عبرت اور نصیحت کے حصول پر مرکوز رہیں۔
سورۂ طٰہٰ میں آپ کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں، ان حالات کو ذہن نشین کرنے کے لیے چند عنوانات قائم کیے جاسکتے ہیں، یعنی باری تعالیٰ کے ساتھ شرفِ ہم کلامی، دریا میں ڈالا جانا، اللہ کی طرف سے آپ کو اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم، فرعون کے ساتھ موعظہ حسنہ کے اصول کے تحت مباحثہ، اس کا مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح، ساحروں کا قبول ایمان، راتوں رات بنی اسرائیل کا اللہ کے نبی کی قیادت میں مصر سے خروج، فرعون کا بمع لاؤ لشکر تعاقب اور ہلاکت، کریم و رحیم مولیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل کا کفران اور ناشکرا پن، سامری کا بچھڑا بنانا اور اسرائیلیوں کی ضلالت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات لے کر طور سے واپسی اور اپنے بھائی پر غصے کا اظہار۔ اس قصے کے آخر میں قرآنی قصص کے نزول کی حکمت اور قرآن سے اعراض کرنے والوں کو قیامت کے دن جس سزا کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا ذکر ہے، پھر اسی کی مناسبت سے آیت ۱۰۲ سے ۱۱۲ تک قیامت کے ہولناک احوال کا بیان ہے، یہ بتانے کے لیے کہ بھول چوک انسان کی فطرت میں داخل ہے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان کا ذکر کیا گیا ہے پھر ابلیس کے ساتھ ان کا جو معاملہ ہوا تھا اسے بیان کیا گیا ہے۔ (۱۱۵۔۱۲۲)
جو لوگ قرآن سے اعراض کرتے ہیں، ان کے لیے وعید ہے کہ ان کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور انہیں قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا، ایسے معاندین کے حال پر اظہار تعجب کیا گیا ہے جو قرآن کریم جیسا عظیم معجزہ دیکھ لینے کے باوجود عصا اور ناقہ جیسے معجزات دیکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (۱۳۲) آخری آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان معاندین سے ''کہہ دیجیے کہ سب (اعمال کے نتائج کے) منتظر ہیں پس تم بھی منتظر رہو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھی راہ پر چلنے والے کون ہیں اور (جنت کی طرف) راہ پانے والے کون ہیں۔ (۱۳۵)

پارہ ۱۷ کے اہم مضامین

سترہویں پارے کا آغاز سورۃ الانبیاء سے ہو رہا ہے، اس سورت میں ۱۱۲ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس سورت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں تقریباً ۱۷، انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "سورۂ بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء نزول کے اعتبار سے پہلی اور یہ میری قدیم دولت اور کمائی ہیں" سورۃ الانبیاء کے اہم مضامین درج ذیل ہیں۔

۱: سورۃ الانبیاء کی ابتداء ہی میں دنیا کی زندگی کے زوال کی تصویر کشی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کا وقوع اور حساب کا وقت بہت قریب آ گیا ہے لیکن اس ہولناک دن سے انسان غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (آیت ۔۲)

۲: مشرکین آپس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ شخص جو رسالت کا دعوےدار ہے یہ رسول نہیں ہے بلکہ تمہارے جیسا ایک انسان ہے اور یہ دوسرے انبیاء جیسے مادی معجزات کے پیش کرنے سے عاجز ہے، قرآن نے جواب دیا ہے کہ جتنے بھی انبیاء پہلے آئے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے، کھاتے پیتے تھے اور دوسرے انسانی تقاضے بھی پورے کرتے تھے، کوئی ایک نبی بھی ایسا نہیں تھا جو بشری تقاضوں سے پاک ہو، جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے بڑا معجزہ کون سا ہو سکتا ہے، اس کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مختلف عقائد و خیالات اور اخلاق و اعمال کے لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں، اس میں ہر قوم اور ہر شخص کا تذکرہ موجود ہے، کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟ (آیت ۔۱۰)

مشہور تابعی اور عرب سردار حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے یہی آیت پڑھ دی، وہ چونک پڑے اور کہا ذرا قرآن مجید تو لانا، اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور کن لوگوں سے مجھے مشابہت ہے، وہ قرآن کے اوراق الٹتے رہے اور مختلف لوگوں کے احوال پڑھتے رہے بالآخر انہوں نے قرآن میں اپنا تذکرہ تلاش کر ہی لیا۔ مشرکین کی مضحکہ خیز اور حماقت آمیز حرکتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں کسی ایک رائے پر متفق نہ تھے، کبھی کہتے کہ یہ سحر ہے، کبھی کہتے یہ شعر ہے، کبھی کہتے یہ خواب پریشان ہے، کبھی اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا افتراء بتاتے اور کبھی کسی سے سیکھا ہوا کلام قرار دیتے، ان کے اضطراب اور اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے "بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن خوابِ پریشان ہے، بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے، بلکہ یہ شاعر (اور قرآن شعر) ہے تو جیسے (مادی) معجزات پہلے انبیاء لے کر آئے تھے اسی طرح یہ بھی لائے"۔ (۵) اس کے بعد قرآن نے مشرکین کو ان ظالم قوموں کے انجام کی طرف متوجہ کیا ہے جنہیں اللہ نے بصارت اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے عبرت کا سامان بنا دیا، ان تباہ شدہ قوموں نے جب عذابِ الٰہی کے آثار دیکھے تو بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن اللہ نے انہیں

مہلت نہ دی اور انہیں راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ (۱۱۔۱۵)

(۳) کائنات کی اس کھلی ہوئی کتاب میں رب العلمین کی وحدانیت کے بے شمار دلائل بکھرے ہوئے ہیں اور اس میں ارض و سماء، شمس و قمر اور لیل و نہار وغیرہ کی صورت میں جو کچھ بھی ہے اسے اللہ نے لہو ولعب کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ حکمت کے تحت اور اس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے کہ انسان اس میں غور وفکر کرے اور عبرت حاصل کرے، اسی عالم رنگ و بو کی ہر چیز اللہ کی اطاعت اور تسبیح میں لگی ہوئی ہے، سوائے کافر انسان کے جس نے اپنا وتیرہ غفلت اور سرکشی کو بنالیا ہے۔ (۱۶۔۲۰)

(۴) مشرکین جو کہ اللہ کو چھوڑ کر جمادات کے سامنے جھکتے تھے، انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ان سے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ واقعی یہ بت عبادت کے مستحق ہیں۔ (۲۱۔۲۴) ظاہر ہے ان کے پاس اپنے شرک اور بت پرستی کے جواز پر نہ کوئی عقلی دلیل تھی اور نہ ہی نقلی دلیل تھی۔

چھ دلائل

(۵) مشرکین کے باطل نظریات کی تردید کے بعد ایک خالق اور قادر کے وجود پر چھ دلائل ذکر کیے گئے ہیں، یہ سب کے سب تکوینی دلائل ہیں جن کا نظروں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور جن کی حقیقت کو بحث اور تحقیق کے بعد اہلِ علم نے تسلیم کیا ہے، پہلی دلیل یہ دی کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے، ہم نے دونوں کو جدا جدا کر دیا، آسمان کو فرشتوں کا مسکن بنا دیا اور زمین کو انسانوں کا، قرآن نے جو آسمان اور زمین کے جڑے ہونے کا نظریہ پیش کیا اسے نہ عرب جانتے تھے اور نہ ہی اس وقت کی دوسری (معاصر) اقوام میں سے کوئی قوم اس نظریہ سے باخبر تھی، ابھی تقریباً دو سو سال ہوئے کہ ارضیات اور فلکیات کے ماہرین طویل تجربات اور مشاہدات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سارے سیارے خواہ وہ سورج اور ستارے ہوں یا زمین اور چاند، یہ سب آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر یہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے، جبکہ قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ حقیقت بلا خوفِ تردید بیان کر دی تھی، دوسری دلیل یہ دی کہ ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے، یہ ایک عظیم انکشاف تھا جو کہ ایک اُمّی کی زبان سے کروایا گیا اور آج دنیا بھر کے اہلِ علم تسلیم کرتے ہیں کہ تمام زندہ اشیاء کے وجود میں پانی کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہے، پانی کے بغیر زندگی محال ہے، خواہ حیوان ہوں یا درخت اور پودے سب پانی کے محتاج ہیں، آپ چاند کو دیکھ لیجئے وہ اپنی بناوٹ میں زمین کے مشابہ ہے لیکن چونکہ وہاں پانی نہیں ہے اس لیے اس کی سطح پر زندگی ناممکن ہے، تیسری دلیل یہ دی کہ ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں (کے بوجھ) سے ہلنے نہ لگے، اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو زمین مسلسل زلزلوں اور اضطرابات کی زد میں رہتی اور زمین کی تہہ میں جو آگ بھڑک رہی ہے اس سے حفاظت نہیں ہوسکتی تھی، اب بھی دنیا میں کہیں کہیں ایسے آتش فشاں پہاڑ پائے جاتے ہیں جن کے ذریعے گویا کہ زمین کبھی کبھی سانس لیتی ہے اور اس میں بھڑکنے والی آگ باہر دکھائی دیتی ہے، اگر زمین کی جلد سخت نہ ہوتی اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ نہ ہوتا تو یہ آگ زندگی محال کر دیتی۔ چوتھی دلیل یہ دی کہ ہم نے زمین میں کشادہ

راستے بنائے ہیں تاکہ لوگ ان پر چلیں، آپ ہموار میدانوں کو چھوڑیں، پہاڑی سلسلوں ہی کو دیکھ لیجیے جو ملک در ملک چلے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان کشادہ وادیاں اور راستے رکھے ہیں جن کی وجہ سے انسانوں کو اپنے اسفار میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ پانچویں دلیل یہ دی ہے کہ ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے، اسی چھت میں لاکھوں ستارے، سورج اور چاند ہیں جو اپنے اپنے مدار میں انتہائی تیز رفتاری سے گھوم رہے ہیں، نہ ان میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خلط ملط ہوتے ہیں، اگر ایک ستارہ بھی اپنے مدار سے ہٹ جائے تو نظامِ عالم میں خلل واقع ہو جائے، تو وہ کون ہے جو اس سارے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے اور کسی کو بھی ایک مخصوص رفتار اور راستے سے ادھر ادھر نہیں ہونے دیتا؟ کیا لات و ہبل؟ کیا عزّیٰ اور منات؟ نہیں، رب العلمین کے سوا کوئی نہیں۔ چھٹی دلیل تکوینی دلائل میں سے یہ دی ہے کہ رات اور دن اور سورج اور چاند کو اللہ نے بنایا ہے، یہ سب آسمان میں تیر رہے ہیں جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے، انہیں یکے بعد دیگرے آنے جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، اور یہ کبھی رکتے بھی نہیں، مسلسل چلتے رہتے ہیں، حرکت ہی میں ان کی زندگی ہے۔ (۳۰-۳۳)

(۶) توحید، نبوت، معاد اور حساب وجزاء پر دلائل دینے کے بعد ۱۷ انبیاء علیہم السلام کے قصے ذکر کیے گئے ہیں یعنی حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام (آیت ۴۸-۹۱) ان تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی وہ یہ کہ "جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔" (۹۴)

(۷) یاجوج ماجوج جن کا ذکر سورۂ کہف میں ہو چکا ہے، یہاں ان کا دوبارہ ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے اتر رہے ہوں گے۔ (۹۶)

(۸) مشرکین اور ان کے اصنام قیامت کے دن دوزخ کا ایندھن بنیں گے اور کوئی بھی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔

(۹) انبیاء متقدمین کے قصص بیان کرنے کے بعد بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین اور دنیا میں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور آپ نے اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچا دیا مگر جب ہر قسم کے دلائل پیش کرنے کے بعد بھی لوگ نہ سمجھے تو آپ نے اللہ سے دعا کی "کہا اے میرے پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے، اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو، مدد مانگی جاتی ہے۔"

اسی دعا پر سورۂ انبیاء اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

سورۃ الحج

سورۂ حج مدنی ہے، اس میں ۷۸ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی زبان سے لوگوں پر حج کی فرضیت کا اعلان کروایا گیا ہے اس لیے اسے سورۂ حج کہا جاتا ہے۔ قارئین کرام یہ بات تو بار بار پڑھ چکے ہیں کہ مکی سورتوں میں عام طور پر عقائد سے بحث ہوتی ہے جبکہ مدنی سورتوں میں مسائل واحکام زیر

بحث آئے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مدنی سورتوں میں عقائد ذکر نہیں کیے جاتے، مذکورہ بالا اصول محض غالب مضمون کے اعتبار سے ہے عمومی اور کلی قاعدہ ہرگز نہیں ہے، سورۂ حج ہی کو لے لیجئے، یہ اگرچہ مدنی ہے اور اس میں ہجرت و جہاد، حج اور قربانی جیسے شرعی احکام بھی ہیں لیکن اس میں مکی سورتوں والے موضوعات زیادہ ہیں یعنی عقیدہ، توحید، وعید و انذار، بعث و جزاء، جنت اور دوزخ، قیامت کے مناظر اور ہولناکیاں، سورت کی ابتداء اس انداز سے ہوئی ہے کہ دل دہل جائیں اور جسم پر کپکپی طاری ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! بے شک قیامت کا زلزلہ بڑا حادثہ ہے، تم اس دن دیکھو گے کہ دودھ پلانے والی ہر عورت اپنے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے (اسے دیکھ کر لوگوں کے ہوش و حواس اڑ جائیں گے)۔''

اس کے بعد جو اہم مضامین مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ا: قیامت کا ذکر کرنے کے بعد بعث و نشور یعنی دوبارہ زندہ ہونے پر دو وجہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

پہلا استدلال انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل سے ہے، انسان اپنی پیدائش اور تکوین میں سات مراحل سے گزرتا ہے۔

1: انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا گیا، بالواسطہ ہر انسان کا مٹی سے تعلق ہے۔

2: ہر انسان منی اور نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، منی خون سے، خون غذا سے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، مٹی اور نطفہ کے درمیان زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔

3: تیسرے مرحلے میں خون لوتھڑا بنتا ہے۔

4: چوتھے مرحلے میں بوٹی بنتی ہے، جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی ہوتی ہے۔

5: پانچویں مرحلے میں بچہ پیدا ہوتا ہے جو کہ تمام حواس کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے۔

6: چھٹے مرحلے میں وہ جوان ہو جاتا ہے اور قوت و عقل کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

7: ساتویں مرحلے میں یا تو وہ جوانی ہی میں انتقال کر جاتا ہے یا اتنا بوڑھا ہو جاتا ہے کہ اس پر بچپنے کا گمان ہوتا ہے۔

وہ انسان جو خود ان مراحل سے گزرتا ہے وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اللہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں، بالخصوص آج کا انسان جو کہ جانتا ہے کہ ایک نطفہ اور جرثومہ میں باری تعالیٰ نے تمام انسانی خواص چھپا رکھے ہیں وہ کیسے فناء کے بعد دوسری زندگی کا انکار کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل بعث کے امکان پر یہ دی گئی ہے کہ مردہ زمین پر اللہ بارش برساتا ہے تو اس میں زندگی جاگ اٹھتی ہے اور طرح طرح کی چیزیں اگنے لگتی ہیں، جو رب مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے وہ مردہ انسانوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔

۲: کچھ لوگ تو واضح طور پر گمراہ ہیں۔ (۸۔۱۰) اور کچھ ہیں جو مذبذب ہیں، اگر انہیں کچھ دنیوی فائدہ حاصل ہوتو

عبادت میں لگے رہتے ہیں اور دین پر جمے رہتے ہیں اور اگر فائدہ کے بجائے کسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑ جائے تو پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔(۱۱) ان احمقوں نے گویا ایمان اور دین کو کرنسی سمجھ رکھا ہے جس کے کھرا یا کھوٹا ہونے کا فیصلہ وہ دنیوی نفع اور نقصان کے اعتبار سے کرتے ہیں۔

۴: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی تعمیر کی، اس کے بعد جبل ابی قبیس پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ اعلان ارض و سما میں رہنے والوں تک پہنچا دیا اور ہر کسی نے اسے سن لیا۔ حج اور شعائرِ حج کی مناسبت سے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کے محارم کی تعظیم، ایمان کی علامت میں سے ہے، جیسے نیکیوں کے کرنے میں اجرِ عظیم ہے اسی طرح اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں اور اعمال سے بچنے میں بڑا ثواب ہے۔(۳۰)

حقیقی مومنوں کی چار علامات ہیں: اللہ کا خوف اور مصائب پر صبر۔ نماز کی پابندی۔ نیک مصارف میں خرچ کرنا۔(۳۵)

۵: جانوروں کی قربانی کا حکم دینے کے بعد بتایا گیا ہے کہ ان کا خون اور گوشت اللہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اللہ تک تو بندوں کا تقویٰ پہنچتا ہے(۳۷)، جس کے دل میں تقویٰ ہوگا وہ گناہوں سے بچے گا اور نیک اعمال صرف اللہ کی رضا کے لیے کرے گا۔

۶: مناسکِ حج کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی ہے، کیونکہ کفار مسلمانوں کو اللہ کے دین سے اور مکہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے، ابتداء میں اگرچہ صبر اور عفو و درگزر کی تلقین کی جاتی رہی لیکن جب مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور ان کی طرف سے تحمل و برداشت کے رویہ کے باوجود مشرکین کی شرارتوں اور زیادتیوں کا سلسلہ جاری رہا تو اب انہیں سورہ حج کی اس آیت (۳۹) کے ذریعے قتال کی اجازت دے دی گئی، متعدد صحابہ اور تابعین کی رائے یہ ہے کہ تقریباً ستر آیات میں ہاتھ روک کر رکھنے کی تلقین کے بعد یہ پہلی آیت تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی، ساتھ ہی جہاد کی حکمت بھی بیان کر دی گئی وہ یہ کہ اگر اللہ جہاد کی اجازت نہ دیتا تو پھر دشمن خودسر ہو جاتے اور اہلِ کفر، مومنوں پر چھا جاتے جس کی وجہ سے عبادت خانے ویران ہو جاتے لیکن جب انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے ملنے کا ڈر ہوگا تو وہ اس اقدام سے پہلے سو بار سوچیں گے (افسوس کہ آج کفار کو مسلمانوں کی طرف سے نہ اقدام کا ڈر ہے نہ دفاع کا یقین ہے اس لیے وہ جنگلی درندوں کی طرح اسلامی ممالک میں دندناتے پھر رہے ہیں)۔

۷: دوسرے انبیاء کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی دعوت کا پہنچا دینا تھا (۴۹) آپ اپنے مقصدِ بعثت کی تکمیل میں لگے رہے اور مشرکین تمسخر، انکار اور آپ کی دعوت میں شبہات پیدا کرنے کا کام کرتے رہے، ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا آیا ہے، دوسری طرف اللہ کا بھی دستور رہا ہے کہ وہ شیاطین کے پیدا کردہ وساوس اور شبہات کا ازالہ کرتا رہا ہے۔(۵۲-۵۳) (آج بھی اہلِ مغرب، زمانۂ قدیم کے شیاطین کے طریقے

پارہ ۱۸ کے اہم مضامین

پارہ ۱۸ کی ابتداء سورۃ المؤمنون سے ہورہی ہے، یہ مکی سورت ہے، اس میں ۱۱۸ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس سورت میں اصولِ دین سے بحث کی گئی ہے، سورت کی ابتدائی نو آیات میں مومنین کی سات ایسی صفات ذکر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ جنت الفردوس کے مستحق ہوں گے، وہ سات صفات درج ذیل ہیں:

۱: سچا ایمان جو کہ ریا اور نفاق سے پاک ہو۔ ۲: نماز میں خشوع یعنی اللہ کے سامنے عاجزی اور خوف کے ساتھ کھڑے ہوں۔ ۳: لغو سے اعراض، لغو ہر ایسے قول وفعل کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ ۴: کامل طریقے سے زکوٰۃ کی ادائیگی، گویا وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ ۵: وہ زنا اور فحش کاموں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔ ۶: وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور وعدے پورے کرتے ہیں۔ ۷: نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، وقت کا بھی لحاظ رکھتے ہیں اور ارکان و آداب کی بھی رعایت کرتے ہیں، مومنین کی صفات بیان کرنے کے بعد خود انسان کی زندگی اور اس کی تخلیق کے مختلف مراحل میں ایمان کے جو دلائل پائے جاتے ہیں وہ ذکر کیے گئے ہیں، قرآن نے شکمِ مادر میں انسانی وجود کے جو مراحل آج سے کئی سو سال پہلے بیان کیے تھے، جب کہ عرب وعجم کے حکماء میں سے کوئی بھی ان مراحل کے بارے میں لب کشائی کرنے کی جرأت نہیں پاتا تھا، آج کی جدید سائنس اور میڈیکل تحقیقات بھی ان مراحل کی تصدیق کرتی ہیں۔ انسان کے وجود میں دلائلِ ایمان بیان کرنے کے بعد تین قسم کے تکوینی دلائل بیان کیے گئے ہیں:

۱: ساتوں آسمانوں اور ان کے اندر جو عجیب مخلوقات ہیں ان کی تخلیق۔

۲: بارش کا برسانا اور اس کے ذریعے مختلف غلہ جات اور پھلوں کا اگانا۔

۳: چوپایوں اور ان کے اندر دودھ، گوشت، اون، سواری اور باربرداری جیسے منافع کا پیدا کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اب سورت منتقل ہوجاتی ہے بعض انبیا علیہم السلام کے قصص کی طرف، اس سلسلہ میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ (۲۳۔۵۰) ان تمام انبیاء کی ایک ہی دعوت، ایک ہی پروگرام اور ایک ہی مقصد تھا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب ایک ہی زمانے اور ایک ہی ملک میں مبعوث ہوتے تھے لیکن ان انبیاء کے جانے کے بعد انکے امتی مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ہر گروہ اپنی کھال میں مست اور خیالات پر خوش تھا۔ کیسے کہا جائے کہ آج مسلمان بھی اسی صورتحال سے دوچار ہیں، قرآن بھی ایک، نبی بھی ایک، قبلہ بھی ایک لیکن مسلمان ایک نہیں، بھانت بھانت کی بولیاں، تکفیر وتفسیق کے فتوے، باہم جدل ونزاع ......ان اختلافات کے حل کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہر فرقہ کتاب وسنت کے سامنے گردنِ تسلیم خم کردے۔

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو باہم جدل ونزاع میں مصروف ہیں اور ان کے دل غفلت اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں تو دوسری طرف اللہ کے وہ نیک بندے ہیں جو آپس میں محبت کرتے ہیں، انکے دل بیدار اور ہدایت کے نور سے منور ہیں، ان لوگوں کے اندر چار نمایاں صفات پائی جاتی ہیں: پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی تکوینی اور تشریعی آیات پر ایمان رکھتے ہیں، تیسری یہ کہ وہ ریا سے بچتے ہیں اور ہر عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، چوتھی یہ کہ انہیں احسان کی صفت حاصل ہوتی ہے یعنی نیک عمل کرنے کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارے اللہ کے ہاں یہ قبول بھی ہو رہے ہیں یا نہیں؟ (۵۷۔۶۱)

ان مخلص مومنوں کے مقابلے میں وہ حرمان نصیب بھی ہیں جو قرآن اور صاحبِ قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے استہزاء اور سرکشی کے تین بڑے اسباب قرآن نے بیان کئے ہیں: پہلا یہ کہ وہ عقلوں کو استعمال نہیں کرتے بلکہ قرآن میں غور وتدبر کیے بغیر استہزاء اور انکار کرنے لگتے ہیں، دوسرا یہ کہ وہ محض ضد اور عناد کی بناء پر اللہ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں ورنہ ایسا نہیں کہ وہ آپ کو پہچانتے نہ ہوں، وہ آپ کی صداقت وامانت، حسب نسب اور شخصیت کو خوب اچھی طرح پہنچانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتے، تیسرا سبب سوالیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ کیا انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں (معاذ اللہ) کوئی جنون کے آثار دکھائی دیتے ہیں؟ یقیناً ان ہی میں سے بعض آپ کی طرف جنوں کی نسبت کرتے تھے لیکن ان کی تکذیب کا اصلی سبب یہ نہیں ہے بلکہ حقیقی سبب یہ ہے کہ وہ حق کو ناپسند کرتے ہیں، اور حق کو اپنی خواہشات کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں حالانکہ اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوتا تو نظام کائنات میں خلل واقع ہو جاتا۔ (۶۸۔۷۱)

توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ سعداء (نیک بخت) اور اشقیاء (بد بخت) سعداء کا اعمال نامہ بھاری ہوگا اور اشقیاء کا اعمال نامہ ہلکا ہوگا، وہاں تعلقات کام نہیں آئیں گے، کفار دنیا میں لوٹنے کی تمنا کریں گے، ظاہر ہے کہ ان کی تمنا پوری نہیں ہوگی، انہیں یاد کرایا جائے گا کہ وہ اہلِ ایمان کا دنیا میں مذاق اڑایا کرتے تھے آج ان کے لیے خسارہ کے سوا کچھ نہیں، آخری آیت میں اللہ نے اپنے نبی کے واسطہ سے گویا تمام انسانوں کو سکھایا ہے کہ مجھ سے یہ دعا مانگا کرو: ''اے میرے رب! مجھے معاف فرمادے اور مجھ پر رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

سورۃ النور:

سورۂ نور مدنی ہے اس میں ۶۴ آیات اور ۹ رکوع ہیں، اسے سورۂ نور ایک تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں ''نور'' کا لفظ آیا ہے ''اللہ نور السموت والارض'' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایسے آداب وفضائل اور احکام وقواعد بیان کئے گئے ہیں جو اجتماعی زندگی کی راہ کو منور اور روشن کر دیتے ہیں، اس سورت میں زیادہ تر ایسے احکام مذکور ہیں جو عفت وعصمت سے تعلق رکھتے ہیں، اسی لیے یہ سورت عورتوں کو سکھانے کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے، حضرت

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے مردوں کو سورہ مائدہ اور اپنی عورتوں کو سورۃ النساء سکھاؤ۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ سورت خواتین کو سکھانے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے عفت وعصمت، گھریلو اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لیے جو احکام بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

احکام وآداب:

پہلا اور دوسرا حکم زنا کی سزا اور زانیوں کا حکم بیان کرنے کے بارے میں ہے، زانی مرد اور عورت اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے ہیں جو کہ قرآن میں مذکور ہے اور اگر شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا رجم ہے جو کہ متواتر احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ زانیوں کے بارے میں ایک عمومی رویہ بتایا گیا ہے کہ انہیں شریکِ زندگی بنانے کے لئے وہی لوگ آمادہ ہوتے ہیں جو خود بھی زانی اور بدکار ہوتے ہیں۔ تیسرا حکم حد قذف کا ہے یعنی اگر کوئی کسی عاقل بالغ پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اسے اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔ (۴-۵) چوتھا حکم لعان کا ہے جو کہ میاں بیوی کے ساتھ خاص ہے، اگر شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے مگر اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور پھر انکے درمیان جدائی کردی جائے گی۔

پانچویں حکم کے طور پر قصہ افک بیان کیا گیا ہے، افک کا معنی ہے جھوٹ اور بہتان، یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقین اور کمزور ایمان والے مسلمانوں نے بہتان لگایا، یہ بہت بڑا بہتان تھا جو بہت بڑی ہستی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور مسلمانوں کی روحانی ماں پر لگایا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے دس آیات میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے، ان آیات میں منافقوں کی مذمت ہے، مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ آئندہ کبھی اس قسم کی بہتان تراشی میں حصہ دار نہ بنیں اور حرمِ نبوت کی عفت وعصمت کا اعلان فرمایا گیا، تاریخ انسانی میں ایسا پہلی بار ہوا کہ کسی شخصیت کی پاکدامنی کا اعلان بذریعہ وحی کیا گیا، اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

چھٹا حکم گھر میں داخل ہونے کی اجازت اور آداب کے بارے میں ہے، فرمایا گیا کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو، مستحب یہ ہے کہ اجازت سے قبل سلام کرلیا جائے۔ ساتواں حکم ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو یہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، عورتوں کو اپنے شوہروں، اپنے والد، سسر، حقیقی بیٹوں، شوہر کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں، لونڈیوں، ان طفیلی مردوں جو عورتوں کی طرف توجہ نہ رکھتے ہوں، اسی طرح ان بچوں کے سامنے جو خواتین کی پردے کی باتوں سے واقف نہ ہوں، اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ان کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔

آٹھواں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ایسے آزاد مرد و عورتیں یا غلام جو حقوقِ زوجیت ادا کرسکتے ہوں ان کا نکاح کروادو،

یونہی لونڈیوں کے نکاح کی بھی ترغیب دی گئی ہے، اصل میں اسلام زنا کو کسی طور بھی برداشت نہیں کرتا اور زنا کا اس وقت تک سدِ باب نہیں ہوسکتا جب تک کہ نکاح کو آسان نہ کیا جائے، اسلام نے نکاح کو آسان بھی کیا ہے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔نواں حکم لونڈیوں اور غلاموں کے بارے میں ہے، اسلام کی روشنی دنیا میں پھیلنے سے پہلے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا، اور اس لاوارث اور بے سہارا طبقے پر بے پناہ ظلم کیا جاتا تھا، اسلام نے اس رواج پر انقلابی اصلاحات کیں، ان پر ظلم کا دروازہ قطعی طور پر بند کردیا، دوسرے انسانوں کی طرح ان کے لیے بھی حقوق مقرر کیے، انہیں آزاد کرنا اللہ کی رضا کا سبب بتایا، مختلف گناہوں کے کفارہ کے طور پر بھی انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا، ایک اہم ہدایت یہ کی کہ جو غلام یا لونڈی کچھ روپیہ پیسہ ادا کرکے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہوں ان کے ساتھ یہ معاہدہ کرلیا کرو، اس معاہدے کو اصطلاح میں مکاتبت کہا جاتا ہے۔دسواں حکم اصل میں زمانۂ جاہلیت کے ایک قطعی حرام ذریعۂ معاش کی تردید کے لیے ہے، نزولِ قرآن سے قبل بعض ظلم پیشہ اور حریص لوگوں نے لونڈیاں رکھی ہوتی تھیں جنھیں اجرت کے بدلے زنا پر مجبور کرتے تھے، یہاں ایسا کرنے سے منع کیا گیا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر وہ بخوشی زنا پر آمادہ ہوں تو پھر جائز ہے، ناجائز اور حرام تو دونوں صورتوں میں ہے۔بتانا یہ مقصود ہے کہ جب وہ لونڈی ہونے کے باوجود اس فعل سے نفرت کرتی ہیں تو تم جو کہ آزاد ہو تمہیں تو بطریق اولیٰ اس سے نفرت کرنی چاہیے۔

یہ دس احکام وآداب بیان کرنے کے بعد عقیدہ اور ایمان اور نورِ حق کا بیان ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مخلوق کو ہدایت دیتا ہے، بات کو واضح کرنے کے لیے یہاں تین مثالیں ذکر کی گئی ہیں اور یہ قرآن کا ایک خاص انداز ہے کہ وہ معانی کی وضاحت کے لیے حسی مثالیں پیش کرتا ہے، ان میں سے پہلی مثال اہلِ یقین وایمان کے لیے ہے اور دوسری اہلِ باطل کے لیے ہے، پہلی مثال میں مومن کے دل میں جو نور ہوتا ہے اسے اس چراغ کے نور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو صاف شفاف شیشے سے بنی ہوئی کسی قندیل میں ہو اور اس قندیل کو کسی طاقچے میں رکھ دیا جائے تاکہ اس کا نور اس معیّن جہت ہی میں رہے جہاں اس کی ضرورت ہے، اس چراغ میں جو تیل استعمال ہوا ہے وہ تیل زیتون کے مخصوص درخت سے حاصل شدہ ہے، اس تیل میں ایسی چمک ہے کہ بغیر آگ دکھائے ہی چمکتا دکھائی دیتا ہے۔یہی حال مومن کے دل کا ہے کہ وہ حصولِ علم سے قبل ہی ہدایت پر عمل پیرا ہوتا ہے، پھر جب علم آجائے تو نورعلیٰ نور کی صورت ہوجاتی ہے، یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''مومن کا دل حق کو بیان کیے جانے سے پہلے ہی حق کو پہچان رہا ہوتا ہے کیونکہ اس کا دل پہلے ہی سے حق کے موافق ہوتا ہے۔''

اہلِ باطل کے لیے جو دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے پہلی مثال ان کے اعمال کی ہے جنھیں وہ اچھا سمجھتے تھے، ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے اعمال کی مثال سراب جیسی ہے جیسے پیاسا شخص دور سے سراب کو پانی سمجھ بیٹھتا ہے لیکن جب قریب آتا ہے تو وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا، یہی حال کافی کا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو نافع سمجھتا ہے لیکن جب موت کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہوگا تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوگا اس کے اعمال غبار بن کر اڑ چکے ہوں

گے۔
دوسری مثال ان کے عقائد کو سمندر کی تہ بہ تہ تاریکیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جہاں انسان کو اور تو اور اپنا ہاتھ تک دکھائی نہیں دیتا، یہی حال کافر کا ہے جو کفر اور ضلالت کی تاریکیوں میں سرگرداں رہتا ہے۔ اہل حق اور اہل باطل کی مثالیں بیان کرنے کے بعد عالمِ بالا اور عالم اسفل میں رات اور دن کے ہیر پھیر، بارش برسانے، ارض وسما کی تخلیق، پرندوں کی اڑان، اور مختلف قسم کے چوپایوں کو پیدا کرنے کی صورت میں اللہ کے وجود اور توحید کے جو دلائل ہیں ان کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔
دلائلِ توحید کے بعد منافقین اور مومنین دوگروہوں کا تقابلی تذکرہ ہے، منافق ایمان اور اطاعت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں لیکن جب عملی زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ پیش آتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے پر ان کا ذاتی نقصان ہوتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہیں جب کہ مومن ہر حال میں اطاعت پر آمادہ رہتے ہیں، سچے مومنوں کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا کہ انہیں زمین پر خلافت عطا کرے گا، اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دکھایا، مسلمانوں کو جزیرۃ العرب پر غلبہ حاصل ہوا، مشرق ومغرب کے ممالک ان کے زیرِ نگیں آ گئے اور انہوں نے فارس اور روم جیسی مضبوط سلطنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔
توحید کے دلائل، منافقوں اور مومنوں کے تقابل اور وعدۂ خلافت کے بعد اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے تین مزید احکام بیان کیے گئے ہیں: پہلا حکم چھوٹے بچوں اور گھر میں رہنے والے غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں ہے کہ وہ نمازِ فجر سے پہلے، دوپہر کے قیلولہ کے وقت اور نمازِ عشاء کے بعد اگر تمہارے خلوت والے کمرے میں داخل ہوں تو اجازت لے کر داخل ہوں کیونکہ ان تین اوقات میں عام طور پر عمومی استعمال کا لباس اتار کر نیند کا لباس پہن لیا جاتا ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو دوسرے بالغ افراد کی طرح ان پر بھی لازم ہے کہ وہ جب بھی گھر میں آئیں تو اجازت لے کر یا کسی بھی طریقے سے اپنی آمد کی اطلاع دے کر آئیں، مثال کے طور پر کھانس کر یا جوتی کی آہٹ پیدا کر کے۔ تیسرا حکم ان عورتوں کے بارے میں ہے جو بہت بوڑھی ہو جائیں اور نکاح کی عمر سے گزر جائیں کہ وہ اگر پردہ کے ظاہری کپڑے اتار دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ گزشتہ دس احکام کے ساتھ ملا کر کل تیرہ احکام وآداب مذکور ہو چکے ہیں، چودھواں ادب یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو، پندرھواں ادب یہ ہے کہ جب تم کسی اجتماعی مشورہ وغیرہ کے سلسلہ میں مجلس میں بیٹھے ہو تو اجازت کے بغیر مجلس سے نہ اٹھا کرو اور سولھواں ادب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو ایسے نہ پکارا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ سورت کا اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ یہ ساری کائنات اللہ کی قدرت اور علم کے ماتحت ہے، اللہ سب کے حالات اور اعمال جانتا ہے، قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔

پارہ ۱۹ کے اہم مضامین

سورۃ الفرقان:

سورۂ فرقان مکی ہے اس میں ۷۷ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس سورت کے پہلے دو رکوع اٹھارہویں پارہ کے آخر میں گزر چکے ہیں، اس سورت کی ابتداء قرآن عظیم کے ذکر سے ہوئی ہے جس کے بارے میں مشرکین مختلف قسم کے اعتراضات اٹھاتے تھے اور اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے، ایک گروہ اسے گزشتہ قوموں کے قصے اور کہانیاں قرار دیتا تھا، دوسرا گروہ اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افتراء اور ذاتی تخلیق کہتا تھا جس میں اہل کتاب نے آپ کے ساتھ تعاون کیا تھا، تیسرے گروہ کے خیال میں یہ واضح جادو تھا۔ (۱-۶)

قرآن کے بعد صاحبِ قرآن یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے، ضدی اور معاند لوگ آپ کی تکذیب کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ رسول، بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہوتا ہے اور اگر بالفرض انسانوں میں سے کسی کو نبوت ورسالت ملے بھی تو وہ دنیاوی اعتبار سے خوشحال اور سربرآوردہ لوگوں کو ملتی ہے، کسی غریب اور یتیم کو ہرگز نہیں مل سکتی۔ (۷-۹) اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالیوں اور باطل دعاوی کی تردید واضح دلائل سے کی ہے۔

انیسویں پارہ کا آغاز بھی مشرکین کے دعاوی، اعتراضات اور لایعنی قسم کے مطالبات سے ہوتا ہے، مثال کے طور پر وہ بعض اوقات کہتے تھے کہ ''ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جاتے یا (ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ) ہم اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔'' (۲۱) اس کے جواب میں فرمایا گیا فرشتوں کو یہ اس وقت دیکھ پائیں گے جب وہ ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے آئیں گے اور جب یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی، چونکہ قبولیتِ اعمال کی بنیادی شرط یعنی ایمان سے یہ خالی ہیں اس لیے قیامت کے دن ان کے اعمال بھی کسی کام نہیں آئیں گے اور وہ خاک بن کر اڑ جائیں گے، وہ دن ان کے لئے بڑا سخت ثابت ہوگا، یہ ندامت کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے پیغمبر کا راستہ اختیار کیا ہوتا، اس دن اللہ کا رسول، اللہ کے حضور شکایت کرے گا کہ اے میرے رب! میری قوم نے قرآن چھوڑ دیا تھا، امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو چھوڑنے کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ نہ قرآن کو سنے، نہ اس پر ایمان لائے، دوسری یہ کہ پڑھتا بھی ہو اور ایمان بھی رکھتا ہو لیکن اس پر عمل نہ کرتا ہو، تیسری یہ کہ زندگی کے معاملات اور تنازعات میں اسے حکم نہ بنائے، چوتھی یہ کہ اس کے معانی میں غور وتدبر نہ کرے، پانچویں یہ کہ قلبی امراض میں اس سے شفا حاصل نہ کرے۔

مشرکین یہ اعتراض بھی اٹھاتے تھے کہ جیسے تورات اور انجیل یکبارگی نازل ہوگئی یونہی قرآن بھی یکبار کیوں نہیں نازل ہو جاتا؟ ظاہر ہے کہ تدریجاً قرآن نازل ہونے میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں مثلاً اس کا حفظ کرنا، اس کے معانی کا سمجھنا، احکام کا ضبط کرنا اور عمل کرنا آسان تھا لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک حکمت بیان کی ہے وہ یہ کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا قلبِ مبارک نورِ قرآن سے منور ہوتا رہے، اس کے حقائق اور

علوم سے آپ کو غذا حاصل ہو اور دل کو تقویت حاصل ہو، جاننے والے جانتے ہیں کہ یکا یک برسنے والی تیز بارش کھیتی کو تباہ کر دیتی ہے لیکن بتدریج برس کر زمین کے سوتوں میں جذب ہونے والی بارش سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ان اعتراضات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے، علاوہ ازیں اللہ کی قدرت ووحدانیت کے دلائل بیان کیے گئے۔(۴۵-۴۹) اس سورت کے آخر میں ''عباد الرحمٰن'' (رحمٰن کے مخصوص بندوں) کی تیرہ صفات ذکر کی گئی ہیں یعنی تواضع، جاہلوں سے اعراض، راتوں کو نماز وعبادت، جہنم کے عذاب سے خوف، خرچ کرنے میں اعتدال، نہ فضول خرچی اور نہ ہی بخل، شرک سے مکمل اجتناب، قتلِ ناحق سے بچ کر رہنا، زنا اور بدکاری سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا، جھوٹی گواہی سے احتراز، گانے بجانے اور برائی کی مجالس سے پہلوتہی، اللہ کی کتاب سن کر متاثر ہونا اور اس سے فائدہ اٹھانا، اللہ تعالیٰ سے نیک بیوی بچوں کی دعا اور یہ دعا کہ ہمیں ہادی اور مہتدی بنا دیا جائے۔(۶۳-۷۴)

سورۃ الشعراء:

سورۂ شعراء مکی ہے، اس میں ۲۲۷ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتداء حروفِ مقطعات میں سے ''طٰسٓمٓ'' کے ساتھ ہوئی ہے اور عمومی اسلوب کے مطابق اس کے فوراً بعد بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان جو کہ قرآن کی صورت میں ہے اس کا ذکر ہے، قرآن کے بارے میں ایک احساسِ ذمہ داری تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جو کہ اس کے علوم ومعارف اور احکام بندوں تک پہنچانے میں اپنی جان کو ہلکان کیے ہوئے تھے اور آپ کے دل میں انسانیت کی ہدایت کا ایسا درد تھا جو لگتا تھا کہ آپ کی جان ہی لے لے گا، دوسرا رویہ مخالفین کا تھا جن کے سامنے نصیحت اور ہدایت کی جو بھی بات آتی تھی اس سے اعراض کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس کے بعد اس سورت میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں، ان قصوں کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہوتی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا، آپ حکمِ باری کی تعمیل میں خدائی کے اس جھوٹے دعوے دار کے دربار میں پہنچے، اس موقع پر فرعون اور آپ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی چند جھلکیاں اللہ نے سورۂ شعراء میں ذکر فرمائی ہیں، فرعون نے سب سے پہلے اپنے احسانات ذکر کیے کہ میں نے تمہاری تربیت کی تھی۔ آپ نے فرمایا تمہیں احسان جتلانے کا کیسے حق پہنچتا ہے جبکہ تم نے میری قوم کو غلام بنا رکھا ہے، اس نے قتل کا واقعہ یاد دلایا جو اتفاقاً آپ کے ہاتھوں ہو گیا تھا، آپ نے جواب دیا کہ میں نے عمداً قتل نہیں کیا تھا بلکہ غلطی اور خطا سے مجھ سے یہ فعل سرزد ہو گیا تھا، فرعون نے تکبر اور استہزاء کے ساتھ سوال کیا یہ ''رب العالمین'' کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ''رب العالمین'' وہ ہے جس نے ارض وسما کو پیدا کیا ہے، ان دونوں میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ تمہیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور تمہارے آباء کو بھی اس نے پیدا کیا تھا، وہی مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے، فرعون اول فول بکتا رہا لیکن آپ نے ''رب العالمین'' کی تعریف

اور تعارف تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، پھر وہ دھمکیوں پر اتر آیا، آپ نے اسے معجزہ دکھانے کی پیشکش کی، اس کے کہنے پر آپ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی جو کہ اژدہا بن گئی، ہاتھ کو کپڑے سے باہر نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگا، اس کی چمک سے فرعون اور درباریوں کی آنکھیں چندھیا گئیں، اس معجزہ کو اس نے سحر پر محمول کیا اور آپ کو نیچا دکھانے کے لئے پورے مصر سے نامی گرامی ساحروں کو جمع کرلیا، مصریوں کے سالانہ جشن اور عید کے دن ایک بڑے میدان میں لاکھوں کے مجمع کے سامنے مقابلے کا آغاز ہوا، ساحروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتے ہوئے سانپ محسوس ہونے لگیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ سارے سانپوں کو ہڑپ کرگئی، میدان صاف ہوگیا، ساحر حقیقت سمجھ گئے، فوراً ''رب العالمین'' کے سامنے سجدے میں گر کر انہوں نے ایمان قبول کرلیا، فرعون کی مار دھاڑ کی دھمکیوں کے باوجود وہ ایمان پر جمے رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو رات کی تاریکی میں مصر سے لے کر نکل گئے، صبح ہوئی تو فرعون نے لاکھوں کا لشکر لے کر تعاقب کیا، بالآخر دریا کے کنارے جالیا، دریا میں راستے بن گئے جن سے گزر کر بنی اسرائیل نجات پاگئے اور فرعون لاؤ لشکر سمیت غرق ہوگیا، اس قصہ سے سبق ملا کہ بالآخر اہل حق کامیاب ہوتے ہیں اور ظالموں کا مقدر ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہوا ہے جن کے والد آزر اور قوم بتوں کی عبادت کرتی تھی، آپ نے ان کو بڑی حکمت کے ساتھ ایمان وتوحید کی دعوت دی، اس پر پانچ دلائل اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان کیں۔ ۱۔ وہ میرا خالق وہادی ہے۔ ۲۔ وہ رازق ہے۔ ۳۔ وہ بیماریوں سے شفا دیتا ہے۔ ۴۔ وہی موت دے گا، وہی زندہ کرے گا۔ ۵۔ وہ دنیا وآخرت میں گناہ معاف کرنے والا ہے۔

ان پانچ صفات کے مقابلے میں پانچ دعائیں بھی کیں جو کمال ایمان اور صدق یقین کی نشاندہی کرتی ہیں: ۱۔ اے اللہ مجھے فہم وعلم عطا فرما۔ ۲۔ لوگوں میں میرا اچھا ذکر جاری فرما۔ ۳۔ مجھے جنت میں جگہ عنایت فرما۔ ۴۔ میرے والد کو معاف کردے (یہ دعا اس وقت کی تھی جبکہ والد کا کفر پر اصرار آپ کے سامنے واضح نہیں ہوا تھا) ۵۔ مجھے آخرت میں رسوا نہ فرمانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ انسان کو ہر حال میں اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

تیسرا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جنہوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نوسو سال دعوت دی، لیکن وہ مان کر نہ دیئے۔ چنانچہ ان سب کو غرق کردیا گیا، اس قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہدایت اسی کو ملتی ہے جسے اللہ چاہے۔ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کے نبی تھے، یہ لوگ جسمانی قوت، عمر کی طوالت اور خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی ایک نمایاں قوم تھی، انہوں نے بغیر ضرورت کے بڑے بڑے محلات تعمیر کر رکھے تھے، انہوں نے بھی ایمان کی دعوت کو ٹھکرا دیا، چنانچہ ان پر اللہ کا عذاب آکر رہا، ان کے قصے سے یہ نصیحت ملی کہ فضول خرچی، نمود ونمائش، بلا ضرورت تعمیرات اور تکبر کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔

پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، ان کی قوم کو مادی وسائل، رزق کی فراوانی اور امن وتحفظ حاصل تھا،

سرسبز باغات اور بارونق زمینوں میں آباد تھے لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر نہ کیا۔ چنانچہ ان کو زلزلے کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا...... ہر ناشکری قوم کا انجام یہی ہوتا ہے۔

چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جن کی قوم فسق وفجور، شہوت پرستی اور بدکاری میں حد سے بڑھ گئی تھی، وہ ایسا عمل کرتے تھے جس سے حیوان بھی نفرت کرتے تھے، ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسی اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ دوسرے قصوں کی طرح اس قصے کے آخر میں بھی فرماتے ہیں: ''بیشک اس میں نشانی ہے، ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔'' نشانی اور عبرت یہی ہے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل میں حد سے تجاوز کرنے والی قوم اور فرد کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے، ان کی قوم کو اللہ نے مختلف نعمتیں عطا فرمائی تھیں، گھنے جنگلات تھے، ثمر بار باغات تھے، میٹھے پانی کے چشمے تھے لیکن یہ اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہوگئے، ان کے مختلف معاصی میں سے ایک بڑی معصیت یہ تھی کہ یہ حقوق العباد کی ادائیگی میں ڈنڈی مارتے تھے، جب سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اللہ نے ان کو عذاب دینے کا فیصلہ کیا، کئی دن تک سخت گرمی رہی پھر بادل چھا گئے، یہ لوگ ٹھنڈک کے حصول کے لئے بادل کے نیچے جمع ہوگئے، بادلوں سے آگ برسنے لگی، زمین پر زلزلہ طاری ہوگیا اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے کوئلہ بن کر رہ گئے۔ قوم شعیب کا واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حقوق العباد غصب کرنا اللہ کے عذاب اور غضب کو دعوت دینے والا عمل ہے۔ جیسے اس سورت کی ابتداء قرآنِ عظیم کے ذکر سے ہوئی تھی اسی طرح اس کا اختتام بھی قرآن کریم کے حوالے سے مشرکین کے باطل اعتراضات کی تردید سے ہو رہا ہے۔ (۲۲۱-۲۲۷)

سورۃ النمل:

سورۂ نمل مکی ہے، اس میں ۹۳ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس کا آغاز حروف مقطعات میں سے (طٰسٓ) سے ہو رہا ہے۔ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا قصہ بیان ہوا ہے اس لئے اس کا نام نمل ہے۔ سورۂ نمل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جو جس ترتیب سے نازل ہوئیں اسی ترتیب سے قرآن کریم میں موجود ہیں، یعنی شعراء، نمل اور قصص۔ حروف مقطعات والی دوسری سورتوں کی طرح اس کی ابتدا بھی قرآن کریم کی عظمت اور تعارف سے ہو رہی ہے، بتایا گیا کہ یہ ان لوگوں کے لئے کتاب ہدایت ہے جو اہل ایمان ہیں، اس کے بعد حضرت موسیٰ، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کے قصے اجمالی طور پر اور حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ نے انسانوں، جنوں اور پرندوں کو مسخر کیا تھا اور وہ پرندوں کی زبان بھی جانتے تھے، ان کے جو حالات اللہ نے ذکر فرمائے ہیں ان کی چند جھلکیاں درج ذیل ہیں:

☆ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر اپنے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی وادی کے پاس ہوا تو انہوں نے سنا کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی کہ جلدی سے اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ! کہیں حضرت سلیمان علیہ

السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے۔“ آپ نے اس کا کلام سن لیا، آپ مسکرائے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ تو نے مجھے بہت سی نعمتیں عطاء کی ہیں، جن میں سے ایک نعمت پرندوں اور حیوانوں کی بولی سمجھنا بھی ہے۔

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مستقل حاضر باش پرندوں میں سے ایک پرندہ ہدہد بھی تھا، اس نے ایک دن آپ کو ملکہ سبا اور اس کی قوم کے بارے میں اطلاع دی کہ وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں، آپ نے خط بھیج کر ملکۂ سبا کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کے لئے کہا، ملکۂ سبا کو اپنے مادی اسباب پر بڑا ناز تھا، لیکن جب اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے محلات اور ان کا جدید ترین ساز وسامان دیکھا تو اسے اپنی قوت وطاقت ہیچ محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اختصار کے ساتھ حضرت صالح اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ایمان کی دعوت دی تو وہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی یعنی مومن اور کافر، کافروں میں تو لیڈر قسم کے سردار تھے جنہوں نے آپس میں قسمیں کھا کر یہ طے کیا تھا کہ ہم رات کو اچانک حملہ کر کے اللہ کے نبی کو قتل کر دیں گے لیکن اپنے ارادے کے عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی لپیٹ میں آگئے اور ان کا نام لینے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آنکھوں میں ایسا اندھیرا چھایا اور ان کے دل ایسے تاریک ہوگئے کہ وہ دنیا کی بدترین بدکاری کو اچھا سمجھنے لگے اور ان کی نظر میں وہ شخص مجرم ٹھہرتا جو اس برائی سے انہیں منع کرتا اور جو سر سے پاؤں تک اس گناہ کی نجاست میں غرق ہوتا اسے وہ سمجھ دار خیال کرتے، بالکل وہی صورت تھی جو آج کل ہمیں درپیش ہے، نیکی کی راہ پر چلنے والوں کو دقیانوسی اور نا معلوم کیا کچھ کہا جاتا ہے جبکہ برائی کا ساتھ دینے والوں کو ترقی پسند اور روشن خیال سمجھا جاتا ہے، جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو ان کی بستیوں کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی شروع ہوگئی، یوں وہ دنیا بھر کے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بن گئے۔

پارہ: ۲۰ کے اہم مضامین

بیسویں پارہ کی ابتداء میں قدرت اور وحدانیت کے پانچ دلائل اور براہین ذکر کیے گئے ہیں اور پانچوں استفہامیہ انداز میں مذکور ہیں۔

برھانِ اول: کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے بارش برسا کر خوبصورت اور تر و تازہ باغات لہلہائے ہیں وہ بہتر ہے یا جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں وہ بہتر ہیں؟

برھانِ ثانی: وہ محسنِ حقیقی جس نے انسان کے لیے زمین کو باعثِ قرار بنایا ہے، اس کے سینے میں نہریں جاری کی ہیں، اس کی پشت پر بھاری پہاڑ رکھ دئے ہیں اور میٹھے اور کھارے پانی کو خلط ملط ہونے سے بچانے کے لیے ان کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کیا اس محسن اور قادر ذات کو بتوں کی مثل ٹھہرانا کسی صورت بھی قرینِ انصاف ہے؟

برھانِ ثالث: مجبوری، مظلومیت، بیماری اور تکلیف کے وقت کسے پکارا جاتا ہے؟ رب العلمین کو یا بے جان اصنام کو؟

برھانِ رابع: بر و بحر کی تاریکیوں میں راستہ کون دکھاتا ہے؟ بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں کون چلاتا ہے؟ ربِ کریم یا ہاتھوں گڑھی ہوئی مورتیاں؟

برھانِ خامس: انسان کو ابتداء میں کس نے پیدا کیا تھا اور دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ رب العلمین کے سوا کون ہے جس کا نام تم پیش کر سکو؟

قرآن کا عمومی اسلوب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالی کی الوہیت اور وحدانیت پر کائناتی مناظر اور نفسِ انسانی کے حقائق سے استدلال کرتا ہے، یوں وہ پوری کائنات کو بحث و مناظرہ کا میدان بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جو یہ سارے کام کر سکے۔ (۶۰-۶۴)

عقیدۂ توحید کے بعد دوسرا بنیادی مسئلہ جو مشرکین کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ دوسری زندگی کا مسئلہ تھا، وہ کہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں تو ہمیں دوبارہ پیدا کر دیا جائے (۶۷) ان کے لچر اور کھوکھلے اعتراض کے جواب میں اللہ نے اپنے نبی کو تسلی بھی دی اور مشرکین کو وعید بھی سنائی کہ جو کچھ پہلے مجرموں کے ساتھ ہوا وہ تمہارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا، اس کے بعد قیامت کے بعض مناظر بیان کیے گئے ہیں (۸۳) اور بتایا گیا ہے کہ یہ جہاں بس اس وقت تک باقی ہے جب تک صور نہیں پھونک دیا جاتا، حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلی بار صور پھونکیں گے تو ارض و سما کی ساری مخلوق پر خوف اور ہیبت طاری ہو جائے گی، دوسری بار صور پھونکیں گے تو کائنات کی ہر چیز کو موت آ جائے گی، جب تیسری بار صور پھونکیں گے تو سب قبروں سے زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے، جیسے اس سورت کی ابتداء عظمتِ قرآن سے ہوئی تھی یونہی

اس کے اختتام پر بتایا جارہا ہے کہ انسان کی سعادت یہ ہے کہ وہ اس کتابِ مقدس کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لے۔

سورۃ القصص:

سورۂ قصص مکی ہے، اس میں ۸۸ آیات اور ۹ رکوع ہیں، اس سورت کا زیادہ تر حصہ فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معاملہ پیش آیا اس کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس سورت کی ابتداء حروف مقطعات میں سے "طسم" کے ساتھ ہوئی ہے اور ان حروف کے متصل بعد قرآن کریم کی حقانیت کا بیان ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا آغاز ہوجاتا ہے۔ سورۂ قصص بتاتی ہے کہ فرعون مصر میں بڑا بن بیٹھا تھا، تکبر اور جور و جفا میں حد سے آگے بڑھ گیا تھا، اس نے آج کے سامراج اور استعمار کی طرح مصر والوں کو مختلف گروہوں اور طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا تا کہ اس کے اقتدار کو عوام کی منظم اجتماعی طاقت سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، بنی اسرائیل جو مصر کی بہت بڑی اقلیت بن چکے تھے، اس کے ظلم وستم کا خصوصی ہدف تھے، پھر اللہ نے کمزوروں کو اٹھانے اور زیردستوں کو بالادست کرنے کا ارادہ کرلیا، انہی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، آپ کی والدہ پریشان ہوگئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ فرعون کے کارندوں کو اگر خبر ہوگئی تو وہ نومولود کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، حکیم وخبیر رب نے ان کی رہنمائی کی، انہوں نے صندوق بنایا اس میں اپنے لختِ جگر کو لٹا کر نیل کی لہروں کے حوالے کردیا، پانی کے دوش پر تیرتے ہوئے صندوق کو فرعون کی خادماؤں میں سے ایک نے اٹھا کر اس کی اہلیہ حضرت آسیہ کی گود میں ڈالا، فرعون اس معصوم بچے کو بھی ذبح کرنا چاہتا تھا لیکن رب العلمین کا فیصلہ کچھ اور تھا اور یقیناً ہوتا وہی ہے جو رب کا فیصلہ ہوتا ہے، انسان کی تدبیریں، سازشیں، منصوبے اور پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، آسیہ نے کچھ اس انداز سے بات کی کہ اس شخص کا دل بھی پسیج گیا جس کے سینے میں لگتا تھا کہ دل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے، ادھر فرطِ غم کی وجہ سے بچے کی والدہ کا یہ حال ہوگیا کہ کسی پل سکون وقرار نہیں، تصور ہی تصور میں صندوق کو فرعونیوں کے ہاتھ لگتے اور بچے کے گلے سے خون کا فوارہ پھوٹتے دیکھتی ہے لیکن رحیم وکریم اللہ نے اس کے اڑتے ہوئے دل کو قرار عطا فرمایا اور وعدہ کیا کہ بچے کو تمہاری ہی گود میں واپس لوٹا دیا جائے گا، یہ معجزہ کیسے ظاہر ہوگا؟ یہ ناممکن کیسے ممکن بنے گا؟ یہ سوچنا تمہارا نہیں ہمارا کام ہے، بھوکے بچے کو کئی دایوں نے دودھ پلانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی کا بھی دودھ پینے پر راضی ہی نہ ہوا، آپ کی بہن اجنبی بن کر یہ منظر دیکھ رہی تھی، اسی کے مشورہ پر بے قرار ماں کو بلایا گیا اور بطور دایہ کے بچے کو اسی گود میں ڈال دیا گیا جو گود اس کے لیے تڑپ رہی تھی، فرعون نے اپنے خیال میں ایسا انتظام کیا تھا کہ کوئی اسرائیلی بچہ اپنی ماں کا دودھ بھی نہ پی سکے، اس سے پہلے ہی اسے تہ تیغ کردیا جائے اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ بچہ جسے اپنے وقت کے سب سے بڑے ظالم اقتدار کے لیے خطرہ بننا تھا اس کی پرورش، اسی اقتدار کے زیرِ سایہ اور صاحبِ اقتدار کے نان نفقہ سے ہو، پھر وہی ہوکر رہا جو سچے رب کا فیصلہ تھا، خدائی کے جھوٹے دعوے دار کی ہر تدبیر ناکام ہوکر رہی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو آپ کے ہاتھوں

قبطی کا خون ہوگیا، ایک مردِ وفا کے مشورہ پر آپ مصر سے نکل گئے اور مدین کی راہ لی، یہاں نہ جان نہ پہچان، نہ ٹھکانہ نہ ذریعہ معاش، دعا کے لیے اسی کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے جس نے زہریلے سانپ اور آدم خور بھیڑیئے کے ہاتھوں پرورش کروائی تھی، کہا تو بس یہ کہ یارب! میں تیری عطا کا فقیر او رمحتاج ہوں، ایک درخت کے سائے تلے بیٹھے تھے کہ دو باحیا اور پردہ دار بچیاں بکریوں کو ہنکاتے ہوئے آگئیں، ان کی بکریوں کو از راہِ احسان کنویں سے پانی کھینچ کر پلا دیا، بچیاں سمجھ دار تھیں، اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے سامنے جا کر اس اجنبی مسافر کی قوت وطاقت اور امانت ودیانت کی تعریف کی، انہی میں سے ایک بچی کے ذریعے بلائے گئے، نہ صرف باعزت وراحت ٹھکانہ میسر آگیا بلکہ چند شرائط کے تحت رشتے کی بھی پیشکش ہوگئی، شادی کے بعد اہلیہ کو ساتھ لیے مصر واپس جارہے تھے کہ ٹھٹھرتے ہوئے جنگل میں آگ بھڑکتے ہوئے دیکھی، آگ لینے کے لیے آگے بڑھے تو نبوت سے نواز دیئے گئے، نبوت عطا کرنے والے نے عصا اور یدِ بیضا کا معجزہ دے کر اسی کے سامنے کلمہ حق کہنے کا حکم دیا جس نے اللہ کی زمین اللہ کے بندوں پر تنگ کر رکھی تھی اور جو اپنے سوا کسی کو بڑا ماننے کے لیے تیار نہ تھا، کلمۂ حق کہہ دیا گیا، فرعون نے نہ ماننا تھا نہ مانا، اللہ نے اسے اٹھایا اور فوج کے پڑوں سمیت مادی ترقی کے اس سلوگن کو دریا کی طوفانی موجوں کے حوالے کردیا ......رہے نام اللہ کا!

اس قصے سے حضرت مولانا سیوہاری رحمہ اللہ نے جو بصیرتیں اور عبرتیں اخذ کی ہیں ان کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں افادۂ عام کے لیے تحریر کیے دیتے ہیں۔

۱۔ اگر انسان مصائب وآلام پر صبر کرے تو دنیا اور آخرت میں اس کے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۲۔ جو شخص اپنے معاملات میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات ضرور آسان کردیتا ہے۔

۳۔ جس کا معاملہ حق کے ساتھ عشق تک پہنچ جاتا ہے اس کے لئے باطل کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہیچ ہوکر رہ جاتی ہے۔

۴۔ اگر کوئی بندہ حق کا پرچم لے کر پوری استقامت کے ساتھ کھڑا ہوجائے تو دشمنوں ہی کے گروہ سے اس کے حمایتی پیدا کردیئے جاتے ہیں۔

۵۔ جس کے دل میں ایمان پیوست ہوجائے وہ ایمان کی خاطر سب کچھ یہاں تک کہ نقدِ جاں بھی لٹانے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔

۶۔ غلامی کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمت اور عزم کی روح سے انسان محروم ہوجاتا ہے (اسی لیے بنی اسرائیل نے ارضِ مقدس میں داخل ہونے سے انکار کردیا تھا)

۷۔ وراثتِ زمین اسی قوم کا حق ہے جو میدانِ جدوجہد میں ثابت قدم رہتی ہے۔

۸۔ باطل کی طاقت کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو، بالآخر اس کو نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

۹۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ جن قوموں کو ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا ہے ایک دن آتا ہے کہ اللہ انہیں کو زمین کا وارث

بنا دیتا ہے۔

۱۰۔ جو شخص یا جماعت جان بوجھ کر قبول حق سے سرکشی کرے، اللہ اس سے قبول حق کی استعداد چھین لیتا ہے۔فرعون اور اس کے حواریوں کے ساتھ یہی ہوا۔

۱۱۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے کہ انسان کو حق کی اتباع کی بدولت کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ خود ہی حق سے روگردانی شروع کر دے۔ بنی اسرائیل نے یہی کچھ کیا۔

۱۲۔ ایک بہت بڑی گمراہی یہ ہے کہ انسان حق کی اتباع کی بجائے حق کو اپنی خواہشات کے تابع کرنا شروع کر دے۔ یوم السبت میں شکار کی ممانعت کے باوجود اسرائیلی حیلہ بازی کرتے رہے۔

۱۳۔ کوئی حق کو قبول کرے یا نہ کرے، داعی کا فرض ہے کہ وہ فریضۂ دعوت ادا کرتا ہے۔ بعض اہل حق سبت کی بے حرمتی سے آخر وقت تک منع کرتے رہے۔

۱۴۔ ظالم حکمران قوم کی بدعملیوں کے نتیجے میں اس پر مسلط کیے جاتے ہیں۔

۱۵۔ اپنی قوم کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا انجام بیان کرنے کے بعد مختلف آیات میں اہل مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے (۴۷) اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی تعریف کی گئی ہے (۵۲-۵۵) مشرکین کی جہالتوں اور حماقتوں کا ذکر ہے (۵۷) دنیائے فانی کے مال ومتاع سے دھوکہ کھانے سے بچنے کی تلقین ہے (۶۰-۶۱) قیامت کے مناظر میں سے بعض مناظر کی منظر کشی ہے (۶۲-۶۶) اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اختیار کا بیان ہے۔ (۶۸)

ان مضامین کے بعد فرعون جیسے ایک دوسرے متکبر اور سرکش انسان کا تذکرہ ہے، اس کا نام قارون تھا، خاندانی اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قرابت دار تھا، اکثر علماء نے اسے آپ کا چچازاد قرار دیا ہے، اپنے وقت کا ہی نہیں شاید آج کے سرمایہ داروں میں سے بھی سب سے بڑا سرمایہ دار! اس کے خزانے نہیں، خزانوں کی چابیاں اٹھانے کے لئے طاقتور مردوں کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت پیش آتی تھی، دولت کی بہتات نے اسے خودسر اور مغرور بنا دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ مال ودولت پر مت اتراؤ، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اللہ نے جو کچھ دیا ہے اسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرو، جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کرو، نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی روپیہ پیسہ ناجائز مصارف میں خرچ کرو لیکن یہ ساری فہمائش اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی اور اس نے وہی جواب دیا جو ہر احمق، مغرور سرمایہ دار دیا کرتا ہے اس نے کہا ”مجھے یہ مال میری دانش کے زور پر ملا ہے۔“ (۷۸)

حبِ دنیا میں ڈوبے ہوئے لوگ جب قارون کی شان وشوکت دیکھتے تھے تو ان کے منہ میں پانی آجاتا تھا اور وہ اسی جیسا بننے کی تمنا کرتے تھے، لیکن پھر یوں ہوا کہ اللہ نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا، عذاب الٰہی کی اس زندہ گرفت نے دنیا پرستوں کی آنکھیں کھول دیں اور انہوں نے اعتراف کیا کہ ”اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو

نہیں بھی دھنسا دیتا'' قارون کے واقعہ کے اختتام پر قرآن ایک ایسی نصیحت کرتا ہے جو ہر مسلمان کو اپنے پلے باندھ لینی چاہئے، ارشاد ہوتا ہے ''آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں بڑا بننے اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے'' (۸۳) (آج بڑا بننے کی بیماری عام ہو چکی ہے، جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں انہیں یہ آیت ہر وقت سامنے رکھنی چاہئے)۔

اس سورت کی آخری آیت میں ہے کہ ''اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے'' فرعون جیسے بادشاہ اور قارون جیسے سرمایہ دار کا عبرتناک انجام اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ ''اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے''

سورۃ العنکبوت:

سورۂ عنکبوت مکی ہے، اس میں ۶۹ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس سورت کے مضامین بھی دوسری مکی سورتوں جیسے ہیں، اس سورت کا موضوع ''سنتِ ابتلاء'' ہے یعنی اس زندگی میں ابتلائیں اور آزمائشیں ضرور آتی ہیں۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کو طرح طرح کے مظالم اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، جب جور و جفا کے بادل پیہم برس کر بھی نہ تھمتے تو بتقاضائے بشریت بعض لوگ گھبرا اٹھتے تھے، انہیں سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو آزمانا اللہ تعالیٰ کی پرانی سنت اور دستور ہے تاکہ سچے اور جھوٹے، مومن اور منافق میں امتیاز ہو جائے، صاحبِ ایمان بڑے بڑے حوادث کے سامنے استقامت دکھاتا ہے جبکہ زبانی کلامی ایمان کے دعوے کرنے والوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور ان میں سے بعض دنیوی تکلیفوں سے بچنے کے لئے معاذ اللہ مرتد ہو جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی ایذاء پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو یوں سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ اہلِ عالم کے سینوں میں ہے'' (۱۰)

ایمان والوں میں سے سب سے زیادہ اور سخت آزمائشیں اللہ کے نبیوں پر آئیں اس لیے اس سورت میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصے اجمالی طور پر ذکر فرمائے ہیں تاکہ ایمان والے جان لیں کہ اہلِ حق پر ابتلائیں تو آتی ہیں لیکن یہ ابتلائیں دائمی نہیں ہوتیں، انجام کار اہل حق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے بتوں کو ''عنکبوت'' (مکڑی) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ اس کا جالا ازحد کمزور ہوتا ہے نہ سردی سے بچا سکتا ہے نہ گرمی سے اور نہ ہی تیز ہواؤں کا مقابلہ کر سکتا ہے، یونہی مشرکوں کے بت کمزور ہیں، نہ انہیں نقصان سے بچا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

پارہ ۲۱ کے اہم مضامین

سورۂ عنکبوت کا جو حصہ اکیسویں پارہ میں ہے، اس کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

(۱) اکیسویں پارہ کی پہلی آیت جو کہ حقیقت میں عنکبوت کی آیت ۴۵ ہے اس میں کتاب اللہ کی تلاوت اور نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے، نماز کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے، حقیقت وہی ہے جو حکیم وخبیر ذات نے بیان فرمائی ہے، جب شروط وآداب کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز ادا کی جاتی ہے تو اس کے ثمرات ونتائج ضرور حاصل ہوتے ہیں، پھر وہ نمازی اور معاصی کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہے۔ امام ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تین صفات پائی جاتی ہیں: اخلاص، خشیت اور ذکر اللہ۔ اخلاص نمازی کو نیکی پر آمادہ کرتا ہے، خشیت اسے برائیوں سے روکتی ہے اور ذکر اللہ جو کہ قرآن ہے وہ اسے نیکی کا حکم بھی دیتا ہے اور منکرات سے روکتا بھی ہے، جس نماز کے اندر ان تینوں میں سے کوئی صفت بھی نہ پائی جائے وہ حقیقت میں نماز ہی نہیں۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی علامات میں سے ایک واضح علامت یہ ذکر کی گئی ہے کہ آپ امی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ لکھنا جانتے ہیں، اگر لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو باطل پرست شک کرتے کہ شاید آپ نے پہلی کتابوں سے یہ علوم حاصل کر لیے ہیں۔ صداقت کی اس واضح اور زندہ دلیل کے باوجود منکرین اعتراضات کرتے تھے کہ ہم جن معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ آپ کے ہاتھوں کیوں نہیں ظاہر ہوتے، اللہ فرماتے ہیں کہ کیا قرآن کا معجزہ ان کے لیے کافی نہیں ہے؟ (۵۱) جس کی نظیر پیش کرنے سے ان کے فصحاء اور بلغاء عاجز آ گئے ہیں، قرآن تو معجزوں کا معجزہ ہے اس کی موجودگی میں کسی دوسرے معجزہ کا مطالبہ عناد اور جہالت کے سوا کچھ نہیں، ان کی جہالت کا تو یہ حال ہے کہ بسا اوقات وہ خود عذاب کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ (۵۳-۵۴)

(۳) معاندین کا حال بیان کرنے کے بعد متقین کا ذکر کیا گیا ہے اور انہیں رب العزت نے ہجرت اور دین کی راہ میں آنے والے مصائب پر صبر کی تلقین کی ہے۔ (۵۶-۵۹) جو لوگ ترکِ وطن کرتے ہیں انہیں معاشی ضروریات کی فکر یقیناً لاحق ہوتی ہے کہ پردیس میں گھر کا چولہا کیسے جلے گا، اس لیے تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو اللہ کمزور جانوروں کو رزق دیتا ہے وہی تمہیں بھی دے گا اس لیے ہجرت کی صورت میں تمہیں فقر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

(۴) کہا جا سکتا ہے کہ اس سورت کی آخری آیت میں پوری سورت کا خلاصہ اللہ تعالی نے بیان کر دیا ہے: ''جو لوگ ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے رستے دکھا دیتے ہیں اور بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔'' جو لوگ اللہ کو راضی کرنے کے لیے اپنے نفس و شیطان اور دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد کرتے ہیں، اللہ تعالی انہیں دنیا اور آخرت میں سعادت کی راہ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

سورۃ الروم:

سورۂ روم مکی ہے، اس میں ٦٠ آیات اور ٦ رکوع ہیں، قرآن کریم کے وجوہ اعجاز میں سے ایک اہم وجہ اس کی پیشگوئیاں بھی ہیں اور اس سورت کے شروع میں ایک پیشگوئی مذکور ہے جو بعد میں حرف بحرف سچی ثابت ہوئی، اس پیش گوئی کا پورا ہو جانا انتہائی غیر معمولی اور غیر عادی واقعہ تھا، کیونکہ جس وقت قرآن نے یہ خبر دی تھی اس وقت ایرانی رومیوں پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے، رومی مقبوضات اور نوآبادیاں یکے بعد دیگرے ایرانیوں کے ہاتھ آتے جارہے تھے اور اس وقت رومی سلطنت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی، سرحدی حالات کے علاوہ اندرونی حالات بھی انتہائی ابتر تھے، پورے یورپ میں غدر مچا ہوا تھا، رومیوں کا بادشاہ ہرقل زوال کی تیز آندھیوں کے سامنے بے بس ہو چکا تھا، ہر ذلت اور پسپائی سے سمجھوتہ کر چکا تھا، چونکہ ایرانی مشرک اور آتش پرست جبکہ رومی خدا پرست تھے اس لیے مشرکین مکہ اپنے ہم مذہبوں کے غلبہ کی خبریں سن کر خوشی سے بغلیں بجاتے تھے، ان مخدوش حالات میں قرآن نے پیش گوئی کی کہ نو سال کے اندر رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، یقیناً مشرکین نے قرآن کے اس اعلان اور اطلاع کا خوب مذاق اڑایا ہوگا لیکن ٹھیک نو سال کے اندر قرآن مجید کی یہ عظیم الشان پیش گوئی پوری ہو کر رہی، رومیوں نے ایرانیوں کے جاہ وجلال کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا اور سلطنتِ ایران کے قلب میں رومی جھنڈا نصب کر دیا، مذکورہ پیش گوئی کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ روم میں بیان ہوئے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

(۱) سورۂ روم اس معرکہ کی حقیقت بتاتی ہے جو حزب الرحمٰن (رحمٰن کی جماعت) اور حزب الشیطٰن (شیطان کی جماعت) کے درمیان قدیم زمانہ سے جاری ہے، کفر وایمان اور حق وباطل کے درمیان یہ معرکہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ فیصلہ کا دن نہیں آجاتا، اس دن نہ صرف یہ کہ یہ معرکہ ختم ہو جائے گا بلکہ دونوں جماعتوں کو بھی الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جس دن قیامت برپا ہوگی وہ الگ الگ فرقے ہو جائیں گے۔'' اہلِ ایمان کو جنت میں جگہ دی جائے گی اور کافروں کو عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲) یہ سورت بتاتی ہے کہ ہر زمانے میں اللہ کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ عطا کرتا ہے (٤٧) اگر کہیں اہلِ حق مغلوب ہوں تو انہیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے باطل کے طور طریقے اپنا لیے ہوں اور باطل پرستوں نے حق کے بعض اصول اختیار کر لیے ہوں۔

(۳) اس سورت میں متعدد ایسے تکوینی دلائل اور مشاہد مذکور ہیں جو اللہ کی عظمت وقدرت کی گواہی دیتے ہیں (١٩-٢٧ اور ٤٦-٥٠) سورت کے اختتام پر ان کفارِ مکہ کا ذکر ہے جو مُردوں کی طرح تھے نہ تو آیاتِ الٰہیہ کو سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ ہی ان میں غور وفکر کرتے تھے اور نہ ہی اثر قبول کرتے تھے، ارشاد ہوتا ہے: ''اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر تم ان کے سامنے کوئی نشانی پیش کرو تو یہ کافر کہہ دیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو۔'' (٥٨)

سورۂ لقمٰن:

سورۂ لقمٰن مکی ہے، اس میں ۳۴ آیات اور ۴ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ یعنی قرآن کی عظمت کے بیان سے ہوتی ہے جو کہ ہدایت کا ربانی دستور ہے، اس کے بارے میں انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو گئے ایک فریق مؤمنین کا ہے جو اس صحیفۂ ہدایت کی ہر بات کی تصدیق کرتے ہیں، دوسرا فریق کافروں کا ہے جو اس کی آیات سن کر بر بناءِ تکبر منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں (۲-۷) اس کے بعد باری تعالیٰ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے چار دلائل ذکر فرمائے ہیں۔

پہلی دلیل یہ کہ اس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے پیدا کیا ہے حالانکہ ان میں روشن ستارے بھی ہیں، شمس وقمر بھی ہیں، سیارے اور کہکشائیں بھی ہیں۔

دوسری دلیل وہ پہاڑ ہیں جنہیں زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ نے گاڑ رکھا ہے۔

تیسری دلیل بے شمار قسم کے حیوانات، مویشی، چوپائے اور حشرات ہیں، ان کے علاوہ فضاؤں اور سمندر میں رہنے والے ہزاروں قسم کے جاندار ہیں جن کی شکلیں، رنگتیں اور خصوصیات تک اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، انسان کے عجز کا تو یہ حال ہے کہ وہ مکھی اور چیونٹی تک کی مثال نہیں بنا سکتا چہ جائیکہ صاحبِ فہم وذکی، بولتا چلتا انسان بنا سکے۔

چوتھی دلیل یہ کہ وہ آسمان سے بارش برساتا ہے جس کے ذریعے ہر قسم کی نفیس چیزیں اگاتا ہے (۱۰)۔

اس کے علاوہ سورۂ لقمٰن میں جو اہم مضامین مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت لقمان جو کہ نبی تو نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت ودانائی سے نوازا تھا، ان کے اقوال، عبرت ونصیحت کا خزانہ ہوتے تھے، ان کا کلام دُر افشانی، ان کی خاموشی تفکر اور ان کے ارشادات موعظت ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ پانچ وصیتیں ذکر فرمائی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں، یہ بڑی قیمتی اور جامع نصیحتیں ہیں جو کہ عقیدہ، عبادت، سلوک اور اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں:

☆ پہلی وصیت یہ کی کہ اے بیٹا! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور اس کا انجام تباہ کن ہے۔ اس کے بعد خود اللہ تبارک وتعالیٰ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں۔

☆ دوسری وصیت آخرت کے بارے میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں، گناہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور کیسی پوشیدہ جگہ پر کیوں نہ کیا گیا ہو اللہ اسے قیامت کے دن لے آئے گا۔

☆ تیسری وصیت اللہ کی طرف توجہ کے بارے میں ہے، اللہ کی طرف توجہ کی کئی صورتیں بیان فرمائیں یعنی نماز کو کامل طریقے سے ادا کرو، لوگوں کو ہر خیر کی دعوت دو اور ہر شر سے منع کرو اور مصائب وابتلا پر صبر کرو۔

☆ چوتھی وصیت میں اپنے بیٹے کو تکبر اور فخر سے منع فرمایا۔

☆ پانچویں وصیت میں اپنے بیٹے کو اخلاقِ کریمہ کی طرف متوجہ کیا یعنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور بولتے وقت اپنی آواز نیچی رکھو۔ (۱۹-۱۲)

(۲) مشرکین کی تردید ہے کہ وہ توحید کے دلائل کا مشاہدہ کرنے کے باوجود شرک پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ اگر خود

ان سے سوال کیا جائے کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ بھی اللہ کے خالق ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ کے پاس ہے: قیامت کب آئے گی؟ بارش کہاں اور کتنی برسے گی؟ شکمِ مادر میں بچہ کن اوصاف کا حامل ہے؟ انسان کل کیا کرے گا؟ اور موت کب اور کس جگہ آئے گی؟ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ان پانچ مغیبات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی چابیاں قرار دیا ہے۔

سورۃ السجدۃ:

سورۂ سجدہ مکی ہے، اس میں ۳۰ آیات اور ۳ رکوع ہیں۔ اس سورت میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

۱۔ سورت کی ابتداء میں قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس کا اعجاز واضح ہے، اس کی صداقت کے دلائل روشن ہیں، اس کا اندازِ بیان انسانی کلام سے بالکل الگ ہے لیکن اس کے باوجود کفارِ مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگاتے تھے کہ آپ نے یہ کلام خود گھڑ لیا ہے۔

۲۔ یہ سورت اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کے دلائل بیان کرتی ہے یعنی آسمان اور زمین کو اسی نے پیدا کیا، ہر کام کی تدبیر وہی کرتا ہے، پانی کے ایک حقیر قطرے سے انسان کو اسی نے پیدا کیا۔

۳۔ یہ سورت مجرموں اور مؤمنوں دونوں کا حال بتلاتی ہے کہ مجرم قیامت کے دن سر جھکائے کھڑے ہوں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، وہ آرزو کریں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم نیک اعمال کریں۔ دوسری طرف مؤمنین کے بارے میں بتلایا گیا کہ وہ دنیا میں اللہ کے سامنے جھکے رہتے ہیں، راتوں کو ان کے پہلو بستر سے جدا رہتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے بھی ہیں اور اس کی رحمت کی امید بھی رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ کے دیے ہوئے اموال کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا: ”کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کیلئے (آخرت میں) آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔“ (۱۷-۱۲)

سورت کے اختتام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دیئے جانے کا ذکر ہے جو کہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

سورۃ الاحزاب:

سورۂ احزاب مدنی ہے، اس میں ۷۳ آیات اور ۹ رکوع ہیں۔ اس سورت میں تین موضوعات سے بحث کی گئی ہے یعنی اجتماعی آداب، تشریعی احکام اور بعض غزوات کا بیان جیسے کہ غزوۂ احزاب، غزوۂ بنی قریظہ اور ان دونوں غزوات میں منافقین کی حالت۔

اس سورت کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

(۱) پہلی دو آیتوں میں اپنے نبی کے واسطہ سے نبی کی امت کو ایسے چار امور کا حکم دیا ہے جو کہ حقیقت میں فلاح اور سعادت کے عناصر ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ سے ڈرتے رہیں۔ دوسرا یہ کہ کافروں اور منافقوں کی آراء کی اتباع نہ کریں۔ تیسرا یہ کہ وحیِ الٰہی کی اتباع کرتے رہیں۔ چوتھا یہ کہ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کریں۔ یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں کہیں بھی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یا محمد'' کہہ کر نہیں پکارا، یہاں بھی ''یا ایھا النبی'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے جب کہ دوسرے انبیاء یا آدم، یا نوح، یا موسیٰ، یا عیسیٰ اور یا زکریا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

(۲) زمانہ جاہلیت کے بعض معتقدات اور عادات کی تردید کی گئی ہے جن میں سے بعض عقلی اعتبار سے باطل تھیں اور بعض شرعی اعتبار سے قبیح تھیں۔ یہاں آیت ۴ میں تین جاہلانہ خیالات اور تصورات کی تردید کی گئی ہے:

۱۔ ان کا یہ خیال تھا کہ بعض لوگوں کے سینے میں دو دل ہوتے ہیں، اس خیال کے رد میں فرمایا گیا کہ ''اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے'' دل تو بس ایک ہی ہوتا ہے یا اس میں ایمان ہوگا یا کفر ہوگا، ایک ہی دل میں کفر اور ایمان دونوں جمع نہیں ہوسکتے، اس سے ان منافقین کی بھی تردید ہوگئی جنہوں نے کفر اور ایمان کے درمیان ایک تیسرا درجہ نفاق کا بھی تجویز کر رکھا تھا۔

۲۔ جاہلی اظہار یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''انت علی کظھر امی'' (تم میرے اوپر ایسے ہو جیسے میری ماں کی پشت) کہہ دیتا تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہوجاتی تھی لیکن قرآن نے بتایا کہ کفارہ دینے سے بیوی حلال ہوجائے گی۔

۳۔ اسلام سے قبل منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے جیسا ہوتا تھا، قرآن نے اس غلط تصور کی تردید کی۔

(۳) جب متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) کے تصور کی تردید ہوگئی اور بتا دیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی والد کا حکم نہیں رکھتے تو پھر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ آپ کی اُبوّت ساری امت کے لیے عام ہے اور آپ کی ازواجِ مطہرات ساری امت کی روحانی مائیں ہیں، ان کا ادب واحترام واجب ہے اور ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

(۴) اس کے بعد انیس آیات میں غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ کی تفصیل ہے۔ غزوہ احزاب شوال ۵ ھ میں ہوا جب مشرکین کے دس یا پندرہ ہزار جنگجوؤں نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا، یہ جنگجو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے، یہود بنی نضیر اور یہود بنی قریظہ جن کے ساتھ مسلمانوں کا صلح کا اور ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ تعاون نہ کرنے کا معاہدہ تھا انہوں نے اس معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور ابوسفیان کے ساتھ تعاون کیا، مسلمان صرف تین ہزار تھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کے شمال مغرب میں جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا، خندق کھودی گئی، اسی لیے اسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے اور احزاب اس لیے کہتے

ہیں کیونکہ اس میں مختلف جماعتیں اور مختلف قبائل شریک تھے، ان جنگجوؤں نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا پھر نعیم بن مسعود غطفانی کی کوششوں سے یہود اور قریشی اور غطفانی لشکر کے درمیان پھوٹ پڑ گئی، اللہ کی طرف سے انہی دنوں طوفانی آندھی آگئی جس کی زد میں آکر ان کے خیمے اکھڑ گئے، جانور بدک گئے اور ان کے عزائم پست ہو گئے، پھر قریش اور غطفان اور دوسرے قبائل اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے بغیر راہ فرار اختیار کر گئے۔ ابوسفیان اور اس کے حمایتیوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ کرلیا اور ان کی عہد شکنی کی عبرتناک سزا دی، اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں ان دونوں غزوات کا حال اور منظر بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو بشارت سنائی ہے کہ عنقریب انہیں مزید فتوحات حاصل ہوں گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے نہ صرف فارس اور روم بلکہ بیسیوں ملک اور سینکڑوں شہر فتح کیے (اور ان شاء اللہ قرآن کے ساتھ تعلق مضبوط اور دل میں ایمان راسخ ہو جانے کے بعد پورے عالم کو فتح کریں گے)

پارہ۲۲کے اہم مضامین

اکیسویں پارہ کی آخری چند آیات میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب تھا، چونکہ اس خطاب کا کچھ حصہ بائیسویں پارہ کے شروع میں بھی آیا ہے اس لیے کل کے ''خلاصۃ القرآن'' میں اسے چھیڑا نہیں گیا تھا، خیال یہ تھا کہ اسے اکٹھا ہی ذکر کیا جائے، ان آیات کا پس منظر احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب فتوحات کا دور شروع ہوا تو ازواجِ مطہرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے وظیفہ اور نفقہ میں کچھ اضافہ کردیا جائے، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں انہیں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا یا تو وہ خوشحالی کی زندگی گزارنے کے لیے جدائی اختیار کرلیں اور یا پھر تنگی ترشی کے ساتھ گزر بسر کریں اور اپنی نظر آخرت کی خوش عیشی پر رکھیں، جب آپ نے انہیں اختیار دیا تو ان سب نے آخرت ہی کو ترجیح دی۔ اس موقع پر ازواجِ مطہرات کی فضیلت بیان کرتے ہوئے انہیں احکام دیئے، پہلا یہ کہ مردوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے لوچ دار لہجہ اختیار نہ کرو، دوسرا یہ کہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ مسلمان عورت کا اصل اور محفوظ ٹھکانہ گھر ہے، تیسرا یہ کہ زمانہ جاہلیت کی خواتین کی طرح اپنی زینت اور ستر کا اظہار کرتے ہوئے باہر نہ نکلیں، چوتھا یہ کہ نماز کی پابندی کریں، پانچواں یہ کہ زکوٰۃ دیا کریں۔ چھٹا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، ساتواں یہ کہ قرآنی آیات کی تلاوت اور احادیث کا مذاکرہ کیا کریں، اس کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ احزاب کے اس حصہ میں بیان ہوئے ہیں جو بائیسویں پارہ میں آیا ہے، درج ذیل ہیں۔

(۱) مسلمان کی شخصیت کو معاشرہ میں نمایاں اور امتیازی حیثیت دینے اور اس کا تشخص اور پہچان پیدا کرنے والی دس صفات ہیں، یہ صفات مرد میں ہوں یا عورت میں، اسے مغفرت اور اجرِ عظیم کا مستحق بنا دیتی ہیں یعنی اسلام، ایمان، قنوت (دائمی طاعت)، صدق، صبر، خشوع، صدقہ، روزے، شرمگاہ کی حفاظت اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا۔ (۳۵)

(۲) سورۂ احزاب اس مشہور واقعہ کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین نے سخت تنقید اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تھا۔ ہوا یوں کہ جب آپ کے متبنّٰی حضرت زید بن حارثؓ اور آپ کی پھوپھی زاد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان نباہ نہ ہوسکا اور ان کے درمیان جدائی واقع ہوگئی تو اللہ کے حکم سے خود آپ نے حضرت زینب سے نکاح کرلیا۔ اس پر بڑا شور اٹھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی جبکہ جاہلی تصور میں یہ نکاح حرام تھا، اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح خود ہم نے کروایا تاکہ آئندہ متبنّٰی کی مطلقہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنے میں مسلمانوں کے لیے کوئی حرج باقی نہ رہے۔ (۳۷)

یہاں ضمنی طور پر یہ بات بھی جان لی جائے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے مخالفین نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازدواج میں معاذ اللہ شہوت پرستی کے عنصر کو بنیادی وجہ قرار دینے کی ناکام اور ناپاک کوشش کی ہے۔

یہاں اگر دو بنیادی نقطوں کو ملحوظ رکھا جائے تو اعتراضات کی لغویت ظاہر ہو جاتی ہے۔ پہلا نقطہ یہ کہ آپ نے اپنی بھرپور جوانی ایک ایسی خاتون کے ساتھ گزاردی جو عمر میں آپ سے تقریباً دوگنی تھی، جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری خاتون کو اپنے عقد میں قبول نہیں کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ جتنی خواتین سے بھی آپ نے شادیاں کی ہیں وہ بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھنے یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد کی ہیں۔

دوسرا نقطہ یہ کہ سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی کوئی بیوی بھی کنواری نہیں تھی۔ اگر معاذ اللہ کثرتِ ازدواج سے آپ کا مقصد شہوت پرستی ہوتا تو آپ یہ شادیاں جوانی میں اور باکرہ لڑکیوں سے کرتے، حقیقت یہ ہے کہ تعددِ ازواج میں تعلیمی، تشریعی، اجتماعی اور سیاسی حکمتیں پوشیدہ تھیں مگر یہ ''خلاصہ'' ہمیں تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے اللہ نے اس کی یاددہانی بھی کرائی ہے اور آپ کے پانچ امتیازی اوصاف ذکر فرمائے ہیں۔

ا۔ آپ اپنی امت پر اور دوسری امتوں پر بھی قیامت کے دن گواہی دیں گے۔

۲۔ اہلِ ایمان کو آپ سعادت اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔

۳۔ کفار اور فجار کو اللہ کے عذاب اور ہلاکت سے ڈرانا آپ کی ذمہ داری ہے۔

۴۔ آپ نیکی، اصلاح، اخلاقِ حسنہ اور استقامت کی دعوت دینے والے ہیں۔

۵۔ آپ سراجِ منیر ہیں، آپ کے پرنور وجود سے ظلمتیں دور ہوئیں اور شبہات کا ازالہ ہوا۔ (۴۵-۴۷)

(۴) سورۂ احزاب وہ آداب بھی بیان کرتی ہے جن آداب سے زمانۂ جاہلیت میں لوگ ناآشنا تھے، یہاں ان میں سے تین آداب مذکور ہیں۔ پہلا یہ کہ کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوا کرو، دوسرا یہ کہ اگر کھانے کی دعوت میں تمہیں بلایا گیا ہو تو کھانے سے فارغ ہو کر اٹھ جایا کرو، باتوں میں مشغول ہو کر صاحبِ خانہ کا وقت مت ضائع کیا کرو۔ تیسرا یہ کہ غیر محرم خواتین سے کوئی چیز مانگنے کی ضرورت پیش آئے تو پسِ پردہ مانگا کرو، بلاحجاب ان کے سامنے نہ آیا کرو، البتہ اپنے محارم کے سامنے عورت کو بے پردہ آنے کی بھی اجازت ہے۔ (۵۳-۵۵)

(۵) ازواجِ مطہرات کی حرمت بیان کرنے کے بعد اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و تکریم بیان فرمائی ہے اور اہلِ ایمان کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے، آپ پر درود و سلام حقیقت میں خود ہمارے لیے عزت و تکریم، ذریعہ رفعِ درجات اور کفارہ سیئات ہے۔

(۶) پہلے امہات المؤمنین پر حجاب کی فرضیت کا حکم نازل ہوا، پھر عمومی طور پر ہر مسلمان خاتون کو پردہ کا حکم دیا گیا خواہ وہ بیوی ہو یا بیٹی، بہن ہو یا ماں، حجاب عورت کی عزت و عصمت کا محافظ اور باعثِ تکریم و تشریف ہے، حجاب شرعی میں چند شرائط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ حجاب ایسا ہو کہ پورے بدن کو چھپا لے۔

۲۔ وہ حجاب فی نفسہ پرکشش اور نگاہوں کو متوجہ کرنے والا نہ ہو۔

۳۔ حجاب ایسا باریک نہ ہو جس سے جسم کی رنگت جھلکے اور نظر آئے۔

۴۔ کشادہ ہو، ایسا تنگ نہ ہو جو فتنہ کا باعث بننے والے اعضاء کو ظاہر کرے۔

۵۔ ایسا معطر نہ ہو جس کی خوشبو دوسروں تک پہنچے۔

۶۔ بناوٹ میں مردوں کے لباس سے مشابہت نہ رکھتا ہو۔

۷۔ ایسا لباس نہ ہو جو کافر اور مشرک عورتوں کی پہچان بن چکا ہے۔

۸۔ شہرت کا لباس نہ ہو کہ جس لباس کو شہرت کے لیے پہنا جائے، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

(۷) سورت کے اختتام پر فرائض وواجبات اور شرعی احکام کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ یہ احکام اس امانت کا حصہ ہیں جو اللہ نے بندوں کو سونپی ہے۔ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کے اندر یہ بوجھ اٹھانے کی صلاحیت ہی نہ تھی لیکن چونکہ انسان کو اللہ نے عقل وفکر اور خیر وشر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے تو انسان نے اس بوجھ کو اٹھا تو لیا مگر اس کا حق ادا نہ کر سکا۔

سورۂ سبا:

سورۂ سبا مکی ہے، اس میں ۵۴ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتداء اللہ عز وجل کی حمد وثنا سے ہوتی ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، کائنات کے لئے مستحکم نظام قائم کیا، نظامِ عالم کی تدبیر کی، اسے ہر چیز کی خبر ہے اور اس کا کوئی عمل بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اس کے بعد مشرکین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ حساب وجزاء اور مرنے کے بعد کی زندگی کا انکار کرتے ہیں، اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے رب کی قسم کھا کر کہیں کہ قیامت آکر رہے گی، نیکوکاروں کی جزا اور بدکاروں کو سزا ضرور ملے گی، اس کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ سبا میں مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

ا: حضرت داؤد حضرت سلیمان علیہما السلام اور اہلِ سبا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرما کر گویا شاکر اور کافر کا تقابل اور موازنہ کیا ہے۔ اول الذکر دونوں اللہ کے نبی اور ذاکر وشاکر بندے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حدِ اعجاز تک پہنچا ہوا صوتی جمال عطا فرمایا تھا۔ وہ جب اللہ کی تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ہم نوا بن جاتے تھے، وہ جب زبور پڑھتے تو ہر جانور ان کی قرأت سنتا تھا اور اس پر گریہ طاری ہو جاتا تھا، اللہ نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا، وہ اسے جس طرف چاہتے موڑ لیتے اور جو کچھ چاہتے اس سے بنا لیتے۔ انہوں نے ''کارخانہ'' بنا رکھا تھا جس میں لوہے کی مضبوط زرہیں بنتی تھیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر خصوصی انعامات کیے تھے یونہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی خوب نوازا تھا، انہیں اللہ نے پرندوں کی بولی سکھائی تھی، ان کے لیے تانبا بہتے ہوئے تانبے کی شکل اختیار کر جاتا، جنات ان کے تابع تھے، ان سے آپ تعمیرات اور حمل ونقل کے مشکل ترین کام لیتے تھے۔ ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا تھا، آج کل جیسے ہوائی جہاز ہوتے ہیں

یونہی آپ کا ہوائی تخت تھا جو دو ماہ کی مسافت دن کے تھوڑے سے حصے میں طے کرلیتا تھا......اللہ تعالیٰ کی ان محیّر العقول نعمتوں کے باوجود دونوں باپ بیٹا فخر وغرور کا شکار نہ ہوئے اور ذکر وشکر سے ایک لحظہ کے لیے بھی غافل نہ ہوئے۔

دوسرا قصہ جو یہاں بیان ہوا ہے وہ اہلِ سبا کا ہے، پہلا قصہ اگر اہلِ شکر وایمان کا روشن مینار تھا تو دوسرا قصہ اہلِ کفر وطغیان کی تاریک جھلک ہے، اہلِ سبا کو رزق کی فراوانی، صحت افزا آب وہوا، زرخیز زمین اور پھلدار باغات جیسی نعمتیں عطا کی گئی تھیں۔طویل مسافت تک دو رویہ باغات چلے جاتے تھے، نہ گرمی اور دھوپ ستاتی اور نہ ہی بھوک پریشان کرتی، پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ایک ڈیم بھی تھا جسے ''سدِ مآرب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن انہوں نے ان نعمتوں کا شکرادا نہ کیا بلکہ ناشکری پر اتر آئے، پھر وہی ہوا جو ہر ناشکری قوم کے ساتھ ہوتا ہے، بند ٹوٹ کر عذاب کی صورت اختیار کرگیا اور اس کے پانی نے تباہی مچادی، باغات اور بستیاں خس وخاشاک بن کر بہہ گئیں اور اہلِ سبا کا ذکر صرف داستانوں میں رہ گیا۔

۲: اس سورت میں مسلسل مشرکین کے عقائد ونظریات کے عقلی اور نقلی دلائل کی تردید اور توہین ہے، کبھی ان سے کہا گیا کہ بلاؤ ان کو جنہیں تم اللہ کے سوا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہو، دیکھتے ہیں کہ وہ تمہیں کیا فائدہ پہنچاتے ہیں، کبھی تلقین کے اسلوب میں ان سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا کہ بتاؤ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کبھی یہ سوال کیا گیا کہ جنہیں تم اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک سمجھتے ہو ذرا انہیں سامنے تو لاؤ تاکہ میں دیکھوں کہ ان کے اندر کون سی ایسی صفت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ عبادت کے مستحق بن گئے ہیں

(۲۲۔۲۷) آگے چل کر سورۂ سبا میں کفار اور مشرکین کی سرکشی اور کفر کی بنیادی وجہ، ثروت وغنا کو بتایا ہے۔انہیں اس پر اتنا ناز تھا کہ ان کا خیال تھا ہمارے جیسے اصحابِ مال اور اولاد کو نہ دنیا میں عذاب ہوسکتا ہے نہ آخرت میں عذاب ہوگا۔قرآن کے الفاظ میں ''وہ کہتے تھے ہم اموال اور اولاد کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا'' ثروت وغنا پر فخر وغرور ہی انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استہزاء اور تحقیر پر آمادہ کرتا تھا اس لئے اللہ نے فرمایا ''میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں تم اللہ کے لئے دو دو اور اکیلے اکیلے مستعد ہوجاؤ پھر غوروفکر کرو (تم یقیناً اس نتیجے پر پہنچو گے کہ تمہارے ساتھی یعنی حضور اکرم صلی اللہ عیہ وسلم) کو کوئی جنون نہیں، وہ تو تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔'' (۴۷) آخری آیت میں بتایا گیا کہ وہ آخرت میں ایمان قبول کرنا چاہیں گے لیکن ان کی چاہت اور ان کے درمیان پردہ حائل کردیا جائے گا۔ چنانچہ وہ ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ (۵۴)

سورۂ فاطر

سورۂ فاطر مکی ہے، اس میں ۴۵ آیات اور ۵ رکوع ہیں، اس سورہ میں توحید باری کی دعوت، اس کے وجود پر دلائل، شرک کی بنیادوں کا انہدام اور دینِ حق پر قائم رہنے کی تاکید ہے۔سورت کی ابتداء میں اس خالق اور مبدع ہستی کا

ذکرِ خیر ہے جس نے عالمِ کون ومکان کو، انسانوں، فرشوں اور جنات کو پیدا کیا، انسانی نظروں کو ان تکوینی آیات کی طرف متوجہ کیا جو اس جہان کے ہر ورق پر پھیلی ہوئی ہیں، مرنے کے بعد کی زندگی پر ایسے حسی اور بدیہی دلائل ذکر کئے ہیں جو ہر شہری اور دیہاتی کی سمجھ میں آسکتے ہیں، بتایا گیا کہ وہ اللہ بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرسکتا ہے اور جو شب و روز یکے بعد دیگرے لاتا ہے اور انسان کو تخلیق کے مختلف مراحل سے گزارتا ہے مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔(۹) یونہی یہ سورت ایمان اور ہدایت، کفر اور ضلالت کے درمیان بھی حسی مثالوں کے درمیان فرق کرتی ہے، یہ سورت بتاتی ہے کہ جیسے بینا اور نابینا، زندہ اور مردہ، ظلمت اور نور، دھوپ اور چھاؤں مساوی نہیں ہوسکتے یونہی مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہوسکتے۔(۱۹۔۲۲)

اس کے بعد دوبارہ وحدانیت اور قدرت کے دلائل سے یہ سورت بحث کرتی ہے، رنگا رنگ اور متنوع پھولوں، سفید، سرخ اور سیاہ پہاڑوں، مختلف رنگوں، زبانوں اور مزاجوں والے انسانوں اور ہزاروں قسم کے پرندوں، مچھلیوں، حشرات اور چوپاؤں میں اس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں لیکن ان نشانیوں کو دیکھ کر صرف انہی کے دل میں خشیت پیدا ہوتی ہے جو علم رکھتے ہیں، جو گہرائی میں جاکر سوچ سکتے ہیں جو حقائق پر پڑے ہوئے پردے اٹھا سکتے ہیں۔

پھر سورت کا رخ کتابِ منظور (دکھائی دینے والی کتاب کائنات) سے کتابِ سطور (لکھی ہوئی کتاب یعنی قرآن) کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں۔(۲۹۔۳۰) ان کی تعریف کے بعد عمومی طور پر امت محمدیہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے جس پر اللہ نے یہ کتاب مجید نازل فرمائی لیکن نزول قرآن کے بعد یہ امت تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ا: ظالم، یہ وہ گناہگار مسلمان ہیں جن کے گناہ ان کی نیکیوں سے زیادہ ہیں۔۲: مقتصد، یعنی میانہ رو جن کی حسنات اور سیأت مساوی ہیں۔۳: سابق، یعنی وہ سچا مومن جو طاعت وعبادت میں سبقت لے گیا...... لیکن ان تینوں کا آخری اور دائمی ٹھکانہ بہر حال جنت ہی ہے۔ سورت کے اختتام پر اللہ کے حلم اور بردباری کا ذکر ہے کہ وہ گناہوں پر نقد اور فوری سزا نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو زمین پر انسان تو انسان کوئی حیوان اور چرند پرند بھی زندہ نہ رہ سکتا، اس نے جزا سزا کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے وہ وقت جب آجائے گا تو پھر کامل عدل کا نظام حرکت میں آجائے گا۔

سورۂ یٰسین

سورہ یٰسین مکی ہے، اس میں ۸۳ آیات اور پانچ رکوع ہیں، ہمارے مسلمان بھائی اس سورت کو جان کنی کی آسانی کے لیے تو پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنے والے کم ہیں جبکہ اصل فضیلت وثواب اور اللہ کا قرب اس کے مشمولات پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی سچائی پر قرآن کی قسم کھائی ہے، پھر ان کفار قریش کا تذکرہ ہے جو کفر وضلال میں بہت آگے نکل گئے تھے جس کی وجہ سے وہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہوگئے، اس کے بعد اس بستی والوں کا ذکر ہے جنہوں نے یکے بعد

پارہ ۲۳ کے اہم مضامین

بائیسویں پارہ کے آخر میں ان انبیاء کا تذکرہ ہو چکا ہے جنہیں اللہ نے ایک بستی والوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا مگر وہ ہدایت کی راہ پر چلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ جب بستی والوں نے تینوں انبیاء کو جھٹلایا تو بستی والوں میں سے ایک شخص جس کا نام مفسرین نے ''حبیب النجار'' لکھا ہے وہ دوڑتا ہوا آیا تا کہ انبیاء کو ضرر پہنچانے کی صورت میں اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے، جب اس نے انہیں سمجھایا اور سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا تو وہ سب اس پر پل پڑے اور انہوں نے اسے شہید کر دیا، اسے جنت میں داخل ہونے کا شرف ملا جب اس نے اپنی آنکھوں سے اللہ کی ان نعمتوں کا مشاہدہ کر لیا جو اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے تیار کی ہیں تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا ''اے کاش! میری قوم جان لیتی جو میرے رب نے میری مغفرت کر دی ہے اور مجھے اہلِ کرامت وسعادت میں سے ٹھہرایا ہے'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''وہ مومن شخص زندگی میں بھی اپنی قوم کا خیر خواہ رہا اور مرنے کے بعد بھی'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں پر افسوس کا اظہار فرماتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی رسول آتا ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں (۳۰) مذکورہ بالا امور کے علاوہ سورۂ یٰسٓ کے اہم مضامین میں درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے وجود، توحید اور قدرت کے تکوینی دلائل جو قرآن میں بار بار مذکور ہوئے ہیں ان میں سے تین قسم کے دلائل یہاں ذکر کیے گئے ہیں: ۱۔ مردہ زمین جسے بارش سے زندہ کر دیا جاتا ہے۔ ۲۔ لیل ونہار اور شمس وقمر۔ ۳۔ کشتیاں اور جہاز جو سمندر میں چلتے ہیں۔ ان دلائل کے ضمن میں سورۂ یٰسٓ ایک ایسی حقیقت کا اعلان کرتی ہے جس سے نزولِ قرآن کے زمانے کے بڑے بڑے اہلِ علم بھی ناواقف تھے۔ آیت ۳۶ میں ارشاد ہوتا ہے: ''وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے'' (۳۶)

قدیم زمانے کے انسانوں کا خیال اور تحقیق یہ تھی کہ جوڑا جوڑا صرف انسان اور حیوان ہی ہوتے ہیں، جب کہ موجودہ دور کے سائنس دانوں نے طویل تحقیق اور مغز ماری کے بعد ثابت کیا ہے کہ ''زوجیت'' (جوڑا جوڑا) نہ صرف انسانوں بلکہ نباتات، جمادات اور تمام کائنات میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ ''ایٹم'' جو کہ مادہ کے اجزاء میں سے سب سے چھوٹا جزء ہے وہ بھی دو مختلف اجزاء یعنی الیکٹران اور پروٹان مرکب ہوتا ہے اور یہ دونوں جزء نر اور مادہ کے مشابہ ہیں، سورۂ یٰسٓ کے علاوہ سورۂ ذاریات میں بھی اس علمی اور سائنسی تحقیق کی صدیوں پہلے نشاندہی کر دی گئی تھی، وہاں فرمایا گیا: ''اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا بنایا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو'' (۵۱/۴۹)

(۲) اس کے بعد سورۂ یٰسٓ قیامت کی ہولناکیوں اور صور پھونکے جانے کا تذکرہ کرتی ہے، جس وقت پہلی بار صور پھونکا جائے گا، لوگ اپنے معمولات کی ادائیگی اور خرید وفروخت میں مشغول ہوں گے، صورِ اسرافیل کی آواز سن کر

ان پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوجائے گی، اسے ''نفخہ فزع'' بھی کہا جاتا ہے، دوسری بار کے صور سے حی وقیوم کے سوا سب کو موت آجائے گی اور کوئی ذی روح زندہ نہیں رہے گا، تیسری بار جب صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے جی اٹھیں گے اور حاکم حقیقی کے سامنے پیش ہوجائیں گے وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوگا، مومنین متقین کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا، جبکہ مجرم جو کہ دنیا میں صلحاء کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے انہیں الگ کردیا جائے گا، پھر ان کے مونھوں پر مہر لگادی جائے گی اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (۴۹-۶۶)

چونکہ اس سورت میں زیادہ تر بحث بعث بعد الموت کے حوالے سے ہے اس لیے اس کا اختتام بھی اس پر ہورہا، فرمایا گیا: ''کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے پیدا کردے؟ کیوں نہیں وہی ہے جو خوب پیدا کرنے اور علم رکھنے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے کہ ہوجا! تو وہ ہوجاتی ہے۔'' (۸۱-۸۲)

سورة الصافات:

سورۂ صافات مکی ہے، اس میں ۱۸۲ آیات اور ۵ رکوع ہیں، سورت کی ابتدا ہوتی ہے ان ملائکہ کے ذکر سے جو عبادت اور تسبیح وتحمید میں مصروف رہتے ہیں، اس کے بعد جنات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جب وہ چوری چھپے ملأ اعلیٰ کی خبریں سننے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے ہیں اور انہیں مار بھگاتے ہیں۔ سورۂ صافات، بعث اور حساب وجزاء کے مسئلہ سے بحث کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ بعث بعد الموت کے بارہ میں مشرکین کا موقف بڑا عجیب ہے، وہ اس عقیدے کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ہڈیوں کے چورا چورا ہونے اور خاک میں مل جانے کے بعد انسان، دوبارہ کیسے زندہ ہوسکتا ہے، اللہ فرماتے ہیں، جو کام انہیں مشکل بلکہ ناممکن محسوس ہوتا ہے وہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں، جب حضرت اسرافیل تیسری بار صور پھونکیں گے تو یہ سب اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوجائیں گے۔ (۱۹) پھر وہ بڑی حسرت اور ندامت کے ساتھ کہیں گے کہ یہ ہے اعمال کی جزا کا دن، جس کا ہم مذاق اڑایا کرتے تھے، پھر انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہاں آپس میں جھگڑیں گے اور ایک دوسرے کو اپنی گمراہی کا مورد الزام ٹھہرائیں گے (۲۰-۳۵) دوزخیوں کی باہمی لعن طعن کے علاوہ یہ سورت جنتیوں کا آپس میں مکالمہ بھی ہم کو سناتی ہے، جب انہیں ہر طرح کی نعمتوں سے نہال کردیا جائے گا اور وہ عزت وراحت کے تخت پر شاہزادوں سے کروڑوں گنا زیادہ خوش بیٹھے ہوں گے تو اپنے ماضی کو یاد کریں گے، ان میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ہم نشین ہوا کرتا تھا جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتے ہو، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں تو ہمیں دوبارہ زندہ کردیا جائے؟ ہم سے زندگی بھر کے اعمال کا حساب لیا جائے اور پھر کسی کو جزا اور کسی کو سزا دی جائے؟ یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں، نجانے تم کیوں ایسی ''خلاف عقل'' باتوں پر یقین رکھتے ہو؟ پھر وہ اپنے ساتھیوں سے

پوچھے گا کہ کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟ اتنے میں وہ خود جھانک کر دیکھے گا تو اپنے اس "عقل پرست" اور منکرِ آخرت دوست کو دوزخ کے وسط میں جلتا ہوا دیکھے گا تو اس سے کہے گا "اللہ کی قسم! تو تو مجھے ہلاک بھی کر چکا تھا اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو عذاب میں حاضر کیے گئے ہیں" (۵۶-۵۷)

اس کے بعد یہ سورت بعض انبیاءِ کرام علیہم السلام کے قصص سے بحث کرتی ہے، ان میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جن کی قوم نے انہیں جھٹلایا تو جھٹلانے والوں کو غرق کر دیا گیا، دوسرا قصہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا ہے جو کہ دو مرحلوں میں بیان ہوا ہے، پہلے مرحلہ میں ان کی دعوتِ توحید کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم کو کیسے ایمان کی دعوت دی، کیسے ان کے سالانہ جشن پر شرکت سے معذوری ظاہر کی، کیسے ان کے بتوں سے دو دو ہاتھ کیے۔ مشرکوں نے انہیں زندہ جلا ڈالنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی اور کیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا (۸۳-۹۸) دوسرے مرحلہ میں "ذبح وفدا" والا مشہور واقعہ بیان ہوا ہے، یہ واقعہ صرف سورۂ صافات ہی میں مذکور ہے، باوجودیکہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضرت خلیل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے لیکن یہ واقعہ "صافات" کے علاوہ کسی دوسری سورت میں مذکور نہیں ہے، یوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اللہ کی رضا کی خاطر ابتلاؤں اور آزمائشوں میں گزری لیکن یہ ابتلا ان سب ابتلاؤں سے زیادہ زہرہ گداز اور جاں گسل تھی، آپ کو خواب میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، آپ رضاء و تسلیم کا پیکر بن کر فوراً تیار ہو گئے، بیٹے کو خواب سنایا تو وہ بھی پیکرِ تسلیم تھا، آپ بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے، فوراً اللہ کی طرف سے وحی آئی، اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بے شک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی، اب لڑکے کو چھوڑو اور تمہارے پاس جو یہ مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر دو، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح نوازتے ہیں۔" (۱۱۰)

تیسرا واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ہے، چوتھا قصہ حضرت الیاس علیہ السلام کا ہے جنہیں شام میں ایک ایسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جو "بعل" نامی بُت کی عبادت کرتی تھی، اس بت کے نام پر "بعلبک" نامی ایک شہر آباد تھا جس کے آثار آج بھی دمشق کے مغرب میں ملتے ہیں، پانچواں قصہ حضرت خلیل علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جنہیں اُردن کے اطراف میں "سدوم" والوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا تھا مگر وہ بدترین قسم کی شہوت پرستی اور کفر میں مبتلا ہو کر اندھے، بہرے ہو چکے تھے، پیغامِ ہدایت سننے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور بالآخر عبرتناک عذاب کی لپیٹ میں آکر رہے۔ چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے، جنہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی کچھ عرصہ رہنا پڑا اور جن کی قوم کو عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کا شرف حاصل ہوا۔ انبیاء کے ان قصص کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے: "اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی غالب اور منصور ہیں اور ہمارا لشکر غالب آکر رہے گا" (۱۷۱-۱۷۳)

سورت کے آخر میں آپ کو معاندین سے اعراض کرنے کا حکم ہے اور اللہ کی حمد و تسبیح کا بیان ہے۔

سورۂ ص:

سورۂ ص مکی ہے، اس میں ۸۸ آیات اور ۵ رکوع ہیں، سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم کی قسم کھائی ہے، یہ قسم یا تو قرآن کے معجزہ ہونے پر ہے یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر، اس سورت کے اہم مضامین درجِ ذیل ہیں:

(۱) اللہ کی وحدانیت اور اس کی عظمت کے تکوینی آثار کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ مشرکین تکبر، حماقت اور جہالت میں مبتلا ہیں، انہیں اس پر تعجب ہوتا ہے کہ انہیں سمجھانے اور ڈرانے کے لیے انہی میں سے ایک انسان، نبی بن کر آیا ہے اور یہ کہ ہم نے تو مختلف شعبوں کے لیے مختلف خدا تجویز کر رکھے تھے جبکہ اس نبی کا خیال ہے کہ تمام انسانوں اور موت وحیات کے پورے نظام کے لیے ایک اللہ ہی کافی ہے۔

(۲) کفارِ قریش کی احمقانہ اور جاہلانہ سوچ بتانے کے بعد سورۂ ص امم سابقہ کے متکبرین اور مشرکین کا انجام بتاتی ہے جو تکذیب اور سرکشی کی وجہ سے عذابِ الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ (۱۲-۱۴)

(۳) گذشتہ قوموں کے متکبرین اور مکذبین کا انجام بتاتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف صبر کرنے کی تلقین ہے، دوسری طرف حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کا حکم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی، دینی اور دنیاوی قوت سے نوازا تھا، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے، نصف شب سوتے اور نصف شب عبادت کرتے تھے، وسیع سلطنت کے مالک بادشاہ بھی تھے اور جلیل القدر نبی بھی تھے، انہیں ذکر کرنے والا دل، شکر کرنے والی زبان اور سحر کاری کر دینے والی آواز عطا ہوئی تھی، وہ جب زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پرندے فضا میں رک جاتے تھے، جب حمدِ باری تعالیٰ میں رطب اللسان ہوتے تھے، پہاڑ بھی مصروفِ حمد ہو جاتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی ذکرِ خیر کیا گیا ہے، ان کی سلطنت وسائل واسباب کے اعتبار سے اپنے والد کی سطلت سے بھی زیادہ شان وشوکت کی حامل تھی، ان کے لیے ہوا اور جنات مسخر کر دیئے گئے تھے۔

(۴) سورۂ ص میں تیسرا قصہ حضرت ایوب علیہ السلام کا بیان ہوا ہے، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے، ان کے پاس ثروت وغنا کی بہتات تھی، باغات اور حویلیاں تھیں، زرعی زمینیں اور ڈھور ڈھنگر تھے، نوکر چاکر اور کئی بیٹے تھے، اللہ کی طرف سے آزمائش آئی تو سب کچھ جاتا رہا، اولاد ہلاک ہوگئی، ثروت وغنا کی جگہ فقر وفاقہ نے ڈیرے ڈال لیے، خود تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ ابتلاء اٹھارہ سال تک رہا مگر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی روش نہ بدلی اور صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بالآخر آزمائش کا دور ختم ہوا اور اللہ نے پہلے سے بھی زیادہ نوازدیا۔

(۵) حضرت ایوب علیہ السلام کے علاوہ سورۂ ص حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت اسمٰعیل، حضرت یسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا اجمالی ذکر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب کی تعریف بیان کرتی

ہے، آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ابلیس کے ساتھ قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔ سورت کے اختتام پر اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی دعوت کی حقیقت اور مقصد بیان فرما دیں: ''اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں، یہ قرآن تو اہلِ عالَم کے لئے نصیحت ہے اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔'' (۸۶-۸۸)

سورة الزمر:

سورۂ زمر مکی ہے، اس میں ۷۵ آیات اور ۸ رکوع ہیں، اس سورت کا اصل موضوع اور محور عقیدۂ توحید ہے کیونکہ اللہ کی وحدانیت کا اعتقاد ہی اصل ایمان ہے، اس سورت کی ابتداء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزہ، قرآن کریم کے تذکرے سے ہوتی ہے، بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے گویا تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کو اللہ کے لیے خالص رکھیں اس میں ریا وغیرہ کی ملاوٹ ہرگز نہ ہونے دیں، اگلی آیات میں انداز بدل بدل کر رب العالمین کی وحدانیت پر تکوینی دلائل اور براہین قائم کیے گئے ہیں اور شرک کی پرزور تردید کی گئی ہے۔ یہاں ایک قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ شکمِ مادر میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تمہیں ماں کے پیٹ میں تین تاریکیوں میں پیدا فرماتا ہے (۶)، یہ قرآن کا اعجازِ علمی ہے کہ وہ ایک ایسی طبّی حقیقت کا صدیوں پہلے اعلان کر چکا ہے جس حقیقت کا ادراک حکماء اور ڈاکٹروں کو بیسویں صدی میں علم ہوا ہے، ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں وہ ایک ہی پردہ معلوم ہوتا ہے جس میں ''جنین'' بسا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ تین پردے ہوتے ہیں۔ قرآن نے ان تین پردوں کو تین تاریکیاں اس لیے قرار دیا ہے کیونکہ وہ پردے بچے کو روشنی سے بچائے رکھتے ہیں۔ توحید کا اثبات اور شرک کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے موحد اور مشرک کی مثال بیان کی ہے، مشرک کی مثال اس غلام جیسی ہے جس میں کئی شریک ہوں اور مزاج کے اعتبار سے بھی وہ تمام شرکاء ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں، نہ آپس میں اتفاق نہ محبت اور یگانگت، ان میں سے ایک غلام کو دائیں بھیجتا ہے تو دوسرا بائیں جانب کا حکم دیتا ہے، ایک کھڑا ہونے کا تو دوسرا بیٹھنے کا حکم صادر کرتا ہے، وہ حیران ہے کہ کس کی مانے اور کس کی نہ مانے اور موحد کی مثال اس غلام جیسی ہے جس کا مالک ایک ہو، اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں اور وہ اپنے غلام کے جذبات کا بھی لحاظ رکھتا ہو، یقیناً یہ غلام اخلاص کے ساتھ اس کی خدمت کرے گا اور اسے اپنے مالک سے بھلائی اور احسان ہی کی امید رہے گی۔ پھر جب مالک رب العالمین ہو اور بندہ اسی کا ہو کر رہ جائے تو اس کے قلبی سکون اور راحت و راحت پر یقیناً بادشاہی قربان کی جا سکتی ہے۔

پارہ ۲۴ کے اہم مضامین

سورۂ زمر کا جو حصہ چوبیسویں پارہ میں آیا ہے، اس کے مضامین کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں:

(۱) قرآن، دنیا کے سارے انسانوں کو دو فریقوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک فریق کافروں کا ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور قرآن اور رسول کی تکذیب کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، دوسرا فریق انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کا ہے ان کی جزاء جنت ہے۔ (۳۲۔۳۴)

(۲) بندوں پر اللہ کی خصوصی رحمت اور اس کے فضل واحسان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خطا کاروں، مجرموں اور کافروں کے لئے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے اور انہیں خود توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت دیتا رہتا ہے، وہ گناہ گاروں کو مایوس نہیں کرتا بلکہ ان کے دل میں امید کا چراغ روشن کرتا ہے، اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے ''فرمادیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجاؤ، بے شک اللہ سارے گناہ معاف کردے گا۔ یقیناً وہ بے حد بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہیں کی جاسکے گی۔'' (۵۳۔۵۵)

(۳) بندوں کو توبہ اور انابت کی دعوت دینے کے بعد یہ سورت قیامت کے مختلف مناظر بیان کرتی ہے، جب اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، صور پھونکا جائے گا، سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، زندگی کا حساب ہوگا پھر کافروں کو کھینچ کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور اہلِ تقویٰ کو جنت میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی، فرشتے ان کا استقبال کرتے ہوئے انہیں سلام کہیں گے اور وہ اللہ کی حمد کرتے ہوئے اپنے مسکن پر تشریف فرما ہوں گے۔ (۶۰۔۷۳)

سورۂ غافر:

سورہ غافر مکی ہے، اس میں ۸۲ آیات اور ۹ رکوع ہیں، سورۂ غافر کو سورۂ مومن بھی کہا جاتا ہے، اس کے مطالعہ سے انسان اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اس سورت کا موضوع ''حق وباطل اور ہدایت وضلالت کے درمیان معرکہ'' کا بیان ہے۔ اس سورت کی ابتداء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ قرآن کے تذکرہ سے ہوئی ہے جو کئی صدیاں گزرنے کے باوجود آپ کی نبوت کی صداقت کا گواہ ہے، اللہ کے علوم ومعارف پر قدامت اور کہنگی کا کوئی اثر نہیں ہے، وہ آج بھی تازہ اور زندہ کلام ہے، سائنسی ترقیاں اور جدید تحقیقات اس کے بیان کردہ علمی حقائق کی تصدیق کرتی ہیں، جوں جوں انسان کے علم میں اضافہ ہوگا، توں توں وہ قرآن کے ربانی کلام اور معجزہ ہونے کا اقرار کرتا جا رہا ہے، شرط بس یہ ہے کہ اسے قلب سلیم عطا ہوا ہو اور وہ گروہی تعصب اور حاسدانہ بغض وعناد سے بالا تر ہو کر سوچے، قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر کرنے کے بعد ایک ہی آیت میں اللہ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں یعنی وہ گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بندوں پر فضل واحسان کرنے والا

ہے۔ (۳)

یہ سورت جن دوسرے موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) وہ فرشتے جنہیں ''حملۃ العرش'' (عرش کو اٹھانے والے) ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ اور جو عرش کا احاطہ کیے ہوئے ہیں یہ سب اللہ کی حمد و تسبیح کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، وہ عرض کرتے ہیں ''اے ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے پس تو مغفرت فرما دے ان لوگوں کی جو توبہ کرتے ہیں اور تیری راہ کی اتباع کرتے ہیں اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے، اے ہمارے رب! تو انہیں بھی ان دائمی باغات میں داخل فرما دے جنکا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اور ان کے آباء ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہیں انہیں بھی داخل فرما دے، بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے اور ان کو عذابوں سے بچائے رکھ اور جسے تو نے اس دن عذابوں سے بچا لیا تو بے شک تو نے اس پر مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (۷۔۸)

(۲) قرآن کا جو ایک خاص اسلوب ہے کہ ترغیب کے بعد ترہیب، جنت کے بعد جہنم اور اہلِ ایمان کے بعد اہلِ کفر کا تذکرہ کرتا ہے تو یہاں بھی ایسا ہی پہلے یہ بتایا کہ مقرب فرشتے ایمان والوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں، اب کفار اور فجار کا حال بتایا جا رہا ہے کہ جب انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کر دیا جائے گا اور وہ اپنے اعمالِ بد کا انجام دیکھ لیں گے تو اپنے آپ سے سخت نفرت کریں گے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتے ہوئے معذرت پیش کریں گے، دنیا والی اکڑفوں کو بھول کر بڑی ذلت اور انکساری کے ساتھ آگ کے شعلوں سے نکلنے کی درخواست کریں گے لیکن ان کی یہ درخواست رد کر دی جائے گی اور جہنم کے داروغے ان سے کہیں گے کہ جیسے آج عذاب کی شدت دیکھنے کے بعد اپنے آپ سے نفرت کا اظہار کر رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ نفرت اللہ تعالیٰ اس وقت تم سے کرتا تھا جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی لیکن تم تکبر اور سرکشی کرتے ہوئے کفر کرتے تھے اور ایمان قبول کرنے سے انکار کرتے تھے (۱۰۔۱۲) یہ قیامت کا دن تو بندوں کے درمیان عدل اور انصاف کا دن ہے آج ہر شخص کو اس کے نیک یا بدعمل کا بدلہ مل کر رہے گا۔

(۳) کفار پر اللہ کے عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے، ظلم اور سرکشی کے مشہور کردار فرعون کا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو پیش آیا ہے، قصہ یہ حقیقت سمجھانے کے لئے بیان کیا جا رہا ہے کہ ظالموں اور متکبروں کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ کئی سورتوں میں آیا ہے، سورۂ غافر میں ایک مومن بندہ کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، اسی کے تذکرہ کی وجہ سے اس سورت کا دوسرا نام ''سورۂ مومن'' بھی ہے، یہ شخص خفیہ طور پر ایمان قبول کر چکا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورے ہونے لگے تو یہ صاحبِ ایمان انسان آپ کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تم ایک شخص کا خون صرف اس لئے بہانا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، جب کہ وہ تمہارے پاس واضح دلائل اور روشن معجزات بھی لے کر آیا ہے لیکن فرعون اپنی بات

پر اڑا رہا اور اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ صرف میری رائے ہی درست ہے، اور میرا سوچا سمجھا فیصلہ یہی ہے کہ موسیٰ کو قتل کر دیا جائے، اس سے کم درجہ کی کوئی بات قابل قبول نہیں ...... (قارئین کرام اگر آپ اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ آج کے ڈکٹیٹروں کا مزاج بھی وہی ہے جو کل کے ڈکٹیٹروں کا تھا، وہ اپنے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، پوری انسانیت ایسے ہی ڈکٹیٹروں کے نرغے میں ہے اور خود امتِ مُسلمہ کی گردنوں پر بھی ایسے ہی خودسر اور متکبر مسلط ہیں)۔

''رجل مومن'' کی تقریر اس قدر موثر تھی کہ فرعون کو خطرہ لاحق ہوگیا کہ میرے درباری اس کی دل سے نکلی ہوئی باتوں سے متاثر نہ ہو جائیں، اس نے پہلے تو اپنا قطعی فیصلہ سنا دیا کہ اب موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) دونوں کا وجود برداشت نہیں کیا جائے گا پھر بندۂ مومن کی تقریرِ دلپذیر کو مذاق ہی مذاق میں اڑانے کے لیے اپنے وزیر ہامان کو اس نے حکم دیا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرو تا کہ میں دیکھوں تو سہی کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے؟ (یہی چالاک حکمرانوں کا وتیرہ ہوتا ہے، وہ کبھی دھمکی کی زبان استعمال کرتے ہیں اور کبھی مخالف کی رائے کو استہزاء کا نشانہ بنا کر اس کی اہمیت لوگوں کی نظروں سے گرا دیتے ہیں) فرعون کے تمرّد اور استہزاء کے باوجود بندۂ مومن نے اپنا بیان جاری رکھا لیکن ظاہر ہے فرعون نہ خود ایمان پر آمادہ ہوا نہ اپنے مقربین کو اس طرف آنے دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اللہ کا بندہ عذاب سے بچ گیا جبکہ فرعون اور اس کے انصار واعوان عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ یہ عذاب، قبر میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور صبح شام ان پر پیش کیا جاتا رہے گا، عذابِ قبر الگ ہوگا اور آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔ (۲۸۔۴۶)

(۴) فرعون جیسے ناشکروں، متکبروں اور ظالموں کا عبرت آموز تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی چند نعمتوں کا تذکرہ کرتا ہے، اللہ نے سکون کے لئے رات اور دیکھنے اور معاش کے لیے دن بنایا ہے، زمین سکون اور قرار کے لئے اور آسمان کو چھت بنایا ہے، حسین صورتوں سے نوازا ہے اور رزق کے طور پر پاکیزہ چیزیں عطا فرمائی ہیں، یہ سب اس کی نعمتیں ہیں لیکن انسان ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا، جن مقاصد کے لیے اللہ نے یہ نعمتیں عطا کی ہیں انہیں ان مقاصد کے لیے استعمال نہیں کرتا اور نہ ہی ان میں غور وفکر کر کے اپنے خالق کو پہچانتا ہے (۶۱۔۶۵) اگر انسان خارجی کائنات پر غور وفکر کرنے کے بجائے خود اپنی تخلیق ہی میں غور وفکر کر لے تو وہ اللہ کو پہچان سکتا ہے، انسان اپنی تخلیق میں مختلف مراحل سے گزرتا ہے، ان میں سے ہر مرحلہ ہی بڑا عجیب اور حیران کن ہے، بے جان مٹی سے اس کی ابتدا ہوتی ہے، پھر نطفہ، جما ہوا خون، گوشت کی بوٹی، ہڈیاں، ڈھانچہ، جان، عقل، سمع، بصر، پورے جسم میں ہزاروں میل لمبی پھیلی ہوئی رگوں کا جال، خون کی گردش، دل کی حرکت، تین سو ساٹھ جوڑ ...... پیدا ہوتا ہے تو از حد کمزور اور عاجز، نہ طاقتِ گفتار، نہ تمیز وعرفان، پھر اسے اللہ عقل وفہم اور قوت وادراک عطا کرتا ہے، بچپن کے بعد جوانی کی حدود میں قدم رکھتا ہے، پھر بڑھاپا اسے آلیتا ہے اور انسان ویسے ہی ہو جاتا ہے جیسے بچپن میں تھا، نظر کمزور، عقل میں خلل، اعضاء میں ضعف، حواس میں تعطل، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے عاجز، یہاں تک کہ موت

آجاتی ہے، موت بھی اس کی تخلیق کے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے، موت کے بعد دوبارہ زندگی دی جاتی ہے تاکہ اس کی تخلیق کے بقیہ مراحل کی بھی تکمیل ہو جائے ...... ایک طرف انسانی زندگی کی یہ عجوبہ کاریاں اور قدرتِ الٰہیہ کی زندہ نشانیاں ہیں تو دوسری طرف آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والوں کا انکار اور اعراض جو یہ بھول ہی جاتے ہیں کہ ہم مٹی اور نطفہ سے بڑھاپے اور موت تک کن مراحل سے گزرتے ہیں اور کون ہے جو ان سارے مراحل کی نگرانی کرتا ہے اسی لئے انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں، یہ کہاں پھرے جارہے ہیں''۔ (۶۷۔۶۹)

سورت کے اختتام پر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، اس کے بعد جھٹلانے والوں کو زمین پر چل پھر کر ہلاک شدہ اقوام کا انجام اور ان کے آثار دیکھنے کی تلقین کی گئی ہے، ان اقوام کو بھی اپنی ظاہری قوت اور مادی وسائل پر بڑا ناز تھا۔ انہوں نے انبیاء کے معجزات اور صداقت کی واضح نشانیوں کو جھٹلا دیا، پھر جب انہوں نے اللہ کا عذاب اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا تو توحید کا اقرار کیا اور بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کیا لیکن یہ اقرار اور اظہار ان کے کسی کام نہ آیا اسی لئے کہ اللہ کا دستور متکبروں اور سرکشوں کے بارے میں یہ ہے کہ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ان کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا۔ (۷۷۔۸۵)

سورۃ فصلت:

سورۂ فصلت مکی ہے، اس میں ۵۴ آیات اور ۶ رکوع ہیں۔ اس سورت میں چونکہ سجدہ تلاوت آیا ہے اس لئے اسے حم سجدہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورت کا آغاز بھی حروف مقطعات میں سے ''حم'' کے ساتھ ہوا ہے اور ایسی سورتوں کی تعداد سات ہے۔ انہیں اصطلاح میں ''حوامیم سبعہ'' اور ''آل حم'' بھی کہا جاتا ہے، یہ سورتیں جس ترتیب سے مصحف میں موجود ہیں، اسی ترتیب سے نازل ہوئی تھیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سورتوں کو قرآن کا حسن قرار دیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر چیز کا مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز ''آل حم'' ہیں۔ ''حوامیم سبعہ'' درج ذیل ہیں: مومن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ اور احقاف۔

یہ سورت اپنا آغاز قرآن عظیم سے کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ کتاب اس ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو بے حد مہربان اور انتہائی رحم کرنے والا ہے، اس سورت کے احکام اور معانی مضامین اور مقاصد، قصص اور مواعظ، احکام اور امثال، وعدے اور وعیدیں سب بالکل واضح ہیں ان میں کوئی ابہام اور کوئی اخفا نہیں لیکن اس وضاحت اور بیان کے باوجود بہت سارے لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں اور وہ بدبخت اپنے آپ کو خود ہی اندھوں اور بہروں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، کانوں میں ڈاٹ ہیں اور اے نبی ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے لہٰذا نہ تو ہم تمہاری دعوت سمجھتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ ہی تجھے دیکھ پاتے ہیں، مشرکین کی ہذیان اور یاوہ گوئی کے جواب میں اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ اپنی شخصیت کا تعارف اور اپنی بعثت کا مقصد بتا دیجئے، آپ فرما دیجئے مجھے فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں، میں

بشری تقاضے اورضروریات رکھنے والا تمہارے جیسا انسان ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی اور رسالت کے ساتھ امتیاز بخشا ہے۔(۲۔۶)

اس کے بعد یہ سورت مشرکین کے کفر وشرک پر تعجب کا اظہار کرتی ہے جو اللہ کی عظمت وجلال کے آثار کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کا انکار کرتے ہیں، ان آثار وبراہین کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ عاد وثمود کی تکذیب و انکار اور ان کا انجام ذکر کیا گیا ہے ،قومِ عاد کو حیرت انگیز جسمانی قوت عطا کی گئی تھی ، ان کی طاقت کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک شخص پہاڑ سے چٹان کو توڑ کر الگ کر دیتا تھا، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس قوت و طاقت کی عطا پر اللہ کا شکر ادا کرتے لیکن وہ شکر کے بجائے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے اور فخریہ طور پر چیلنج کرنے لگے کہ ''ہے کوئی جو ہم سے زیادہ طاقتور ہو؟'' (۱۵) انکی حماقت اور نادانی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے انہیں جواب دیا گیا کہ کیا تم اس ذات کی قوت وطاقت سے غافل ہو گئے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ کیا تم اس حقیقت کو بھول گئے ہو کہ تمہاری طاقت، باری تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور قوت وجلال کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی، پھر یوں ہوا کہ ان پر تیز اور ٹھنڈی ہوا کا عذاب مسلط کر دیا گیا، مسلسل سات دن تک ہوا چلی اور ہوا نے انہیں اٹھا کر یوں پٹخا گویا وہ بے حیثیت کیڑے مکوڑے اور خس وخاشاک ہوں .....قوم ثمود نے بھی ایمان پر کفر کو، ہدایت پر ضلالت کو اور بصارت پر اندھے پن کو ترجیح دی تھی ، ایک دن جب کہ وہ اپنی عیاشیوں میں مست تھے ایک چنگھاڑ آئی جس سے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور زلزلہ آیا جس سے سب کچھ زیروزبر ہو کر رہ گیا۔(۱۹۔۱۸)

عادوثمود جیسی سرکش قوموں پر دنیاوی عذاب کا تذکرہ کرنے کے بعد اخروی عذاب کا تذکرہ ہے جب اللہ کے دشمنوں کو اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا اور وہاں ان کے اعضاء یہاں تک کہ ان کے جسم کی کھال ان کے خلاف گواہی دے گی۔ (۱۹۔۲۲) یہ سورت متکبرین اور منکرین کے مقابلہ میں مخلص مومنین کا تعارف کراتی ہے جن کا نمایاں ترین وصف ایمان پر استقامت ہے، جب انہوں نے ایک بار اللہ کو اپنا رب کہہ دیا تو اب وہ زندگی بھر اپنے اس قول وقرار پر جم گئے ، یہی استقامت ہی ولایت ہے اور استقامت سب کرامتوں سے بڑی کرامت ہے، اصحابِ استقامت کو جنت میں ٹھکانہ دے کر کہا جائے گا کہ تم یہاں من چاہی زندگی گزارو، یہ بدلہ ہے اس کا کہ تم دنیا میں خدا چاہی زندگی گزار چکے ہو (۳۰۔۳۱) اصحابِ استقامت میں سے بھی اللہ کے نزدیک سب سے معزز اور قابلِ تحسین وہ لوگ ہیں جو اخلاص اور حکمت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس راہ کی مشکلات کو رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے برداشت کرتے ہیں (۳۳۔۳۵)......اس پارہ کا اختتام رب تعالیٰ کے عدل کے بیان پر ہوتا ہے ،فرمایا گیا ''جو نیک عمل کرتا ہے سو وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو برے کام کرتا ہے سو ان کا وبال اسی پر پڑے گا اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔'' (۴۶)

پارہ ۲۵ کے اہم مضامین

چوبیسویں پارہ کے آخر میں اللہ کے عدلِ کامل کا بیان تھا جس کی وجہ سے قیامت کے دن کسی پر بھی ظلم نہیں ہوگا، اب پچیسویں پارہ کے شروع میں ہے کہ قیامت کے وقوع کی متعین تاریخ کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، لوگ خرید وفروخت اور ذاتی دلچسپیوں میں منہمک ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی، اس دن اللہ مشرکوں سے سوال کرے گا کہ کہاں گئے میرے وہ شریک جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ انتہائی ندامت کے ساتھ جواب دیں گے کہ آج ہمارے درمیان کوئی بھی ایسا فرد نہیں جو تیرے لئے کسی شریک کا اقرار کرتا ہو۔

سورہ حم کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس کائنات اور خود انسان کی ذات کے اندر جو راز ہیں ان کے بارے میں وہ انہیں مطلع فرمائے گا اور یہ راز جب کھلیں گے تو ہر کوئی جان لے گا کہ یہ کتاب برحق ہے، اللہ کا یہ وعدہ سچا تھا اور گزشتہ چودہ سو سال سے اس وعدہ کا ایفاء ہو رہا ہے، کائنات اور انسان کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات ہو رہے ہیں جن کا قدیم زمانے کے انسان نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، بالخصوص ہمارا زمانہ انکشافات، ایجادات اور تحقیقات کا زمانہ ہے، کوئی دن نہیں جاتا جب انسان اور کائنات کے بارے میں کوئی نئی تحقیق اور کوئی نیا انکشاف سامنے نہ آتا ہو۔ بتایئے کس نے سوچا تھا کہ انسان چاند تک پہنچ جائے گا؟ اور پورے کرۂ ارض کے اردگرد گھوم جائے گا؟ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ مشرق میں رہنے والوں کی آوازیں اہلِ مغرب اور اہلِ مغرب کی آوازیں اہل مشرق سن سکیں گے بلکہ آج تو آوازیں ہی نہیں ان کی صورتیں اور حرکات وسکنات بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ انسان سورج کو کائنات کی عظیم ترین چیز سمجھ کر اس کے سامنے جھکتا تھا، آج اس نے معلوم کرلیا کہ نظر آنے والا سورج تو کائنات کا ایک چھوٹا سا کرہ ہے اور اس جیسے کئی سو ملین سورج پسِ پردہ موجود ہیں، انسان سمندروں اور دریاؤں کے پیٹ میں گھس گیا اور ان کے پیٹ میں جو کچھ چھپا تھا اس نے اسے دیکھ لیا، انسان نے اپنے جسم، اس کی بناوٹ، اس کی خصوصیات اور اس کے اسرار ورموز کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرلیا، انسانی نفسیات کے بارے میں بھی اس پر کئی راز منکشف ہوئے ہیں، اور کس کے اندر جرأت ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ وہ کائنات اور انسان کے سارے رازوں سے واقف ہو گیا ہے اور علمی تحقیق اور سائنسی ترقی کمال کی آخری حد کو پہنچ گئی ہے، علم وتحقیق کی اس تیز رفتاری کا کوئی بھی مذہبی کتاب، قرآن کے سوا ساتھ نہیں دے سکتی، یہی بات قرآن کو دائمی معجزہ ثابت کرتی ہے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی تخت کی طرح مادی معجزہ نہیں ہے، یہ ایک علمی معجزہ ہے اور علمی دور کے لئے نازل ہوا ہے، انسان کا علم جتنی ترقی کرتا جائے گا، اس پر قرآن کی صداقت اتنی ہی کھلتی جائے گی، وہ وقت آکر رہے گا جب ہر غیر متعصب صاحب علم کی گردن قرآن کے سامنے جھک جائے گی۔ (انشاء اللہ)۔

سورۃ الشوریٰ:

سورۂ شوریٰ مکی سورتوں میں سے ہے، اس میں ۵۳ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح یہ بھی نظریاتی مسئلہ پر بحث کرتی ہے لیکن وحی اور رسالت کے مضمون کو اس میں زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن کے اعجاز کو بتلانے اور اس کی مثل لانے سے مخالفین کا عجز ظاہر کرنے کے لئے اس کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی ہے کہ یہی وہ حروف ہیں جنہیں جوڑ کر قرآن بنایا گیا ہے، اگر قرآن واقعی انسانی کاوش ہے تو تم بھی ان حروف کی ترکیب سے قرآن جیسا کلام بنا ڈالو، پورا قرآن نہیں، قرآن جیسی کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت ہی سہی، تمہارے اس کارنامے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے نہ پروپیگنڈا کرنا پڑے گا، نہ مال وسائل استعمال کرنے پڑیں گے، نہ جنگ کی آگ میں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو جھونکنا پڑے گا، لیکن اس چیلنج کو نہ کل کے منکرین نے قبول کیا، نہ آج کے منکرین قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

حروفِ مقطعات سے سورت کا آغاز کرنے کے متصل بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''اسی طرح تمہاری طرف اور تم سے پہلے لوگوں کی طرف وحی کرتا ہے وہ اللہ جو کہ غالب اور حکیم ہے'' گویا وحی کا سرچشمہ اولین اور آخرین کے لئے ایک ہی رہا ہے۔ درمیان میں اللہ کی عظمت وجلال بیان کرنے کے بعد پھر وحی اور قرآن ہی کا ذکر ہے اور ارشاد ہوتا ہے: ''اور اسی طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا تاکہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں ان کو رستہ دکھاؤ۔'' (۷) وحی اور رسالت کے مضمون ہی کو مؤکد کرنے کے لئے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے، تمام انبیاء ایک ہی دین کی دعوت کے لئے دنیا میں تشریف لائے، ان کی شریعتیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان سب کا دین ایک ہی تھا یعنی دینِ اسلام۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو اسی دین کی دعوت کے لئے دنیا میں بھیجا گیا تھا اور ان کے متبعین کو تفرقہ سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا تھا لیکن اہل کتاب محض حسد اور عناد کی بناء پر تفرقہ میں مبتلا ہو گئے، ان کے تفرقہ اور اختلاف ہی کو مٹانے اور قول فیصل سنانے کے لئے اللہ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ ''اب اسی دین کی طرف دعوت دو اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو اور ان سے کہو کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا''۔ (۱۵)

جوں جوں یہ سورت آگے بڑھتی جاتی ہے، وحی اور رسالت کے ساتھ اس کا تعلق واضح ہوتا جاتا ہے، وحی ورسالت کے مضمون کے علاوہ اس مادی جہان میں ایمان کے جو دلائل اور تکوینی آیات ہیں، ان کی طرف بھی نظروں کو متوجہ کیا گیا ہے اور ایمان والوں کی درج ذیل نمایاں صفات بیان کی گئی ہیں:

☆ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ☆ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ ☆ اگر غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں۔ ☆ رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ ☆ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ☆ اپنے کام باہمی مشورہ سے کرتے ہیں۔ ☆ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

☆اگر ان پر کوئی ظلم اور زیادتی کرے تو مناسب طریقے سے بدلہ لیتے ہیں ...... یہ صفات اگر آج کے مسلمان اپنے اندر پیدا کرلیں تو ان کی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں ایسا انقلاب برپا ہوسکتا ہے جو انہیں علمی اور حقیقی مسلمان بنا کر پوری دنیا میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرسکتا ہے۔سورۂ شوریٰ کی آخری دو آیتوں میں وحی اور رسالت کا ذکر ہے گویا جس مضمون سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر اختتام ہورہا ہے۔

سورۃالزُخرف:

سورۂ زخرف مکی ہے، اس میں ۸۹ آیات اور ۷ رکوع ہیں چونکہ اس میں زخرف کا لفظ آیا ہے جو سونے اور زینت کے معنی میں آتا ہے اس لئے اس کا نام ''زخرف'' رکھا گیا۔اس سورت کا موضوع اصولِ ایمان ہے، اس سورت کی ابتداء بھی دوسری ''حوامیم'' کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ،قرآن کریم کے ذکر سے ہوتی ہے، اللہ نے اس روشن اور واضح کتاب کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ''ہم نے اسے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو اور یہ (قرآن) بڑی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہمارے پاس لکھی ہوئی اور بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔'' اس کے بعد سورۂ زخرف دلائلِ قدرت سے بحث کرتی ہے، یہ آسمان کی نیلی چھت، یہ زمین کا فرش، یہ بلند و بالا پہاڑ، یہ بہتی ہوئی نہریں، یہ تاحدِ نظر پھیلے ہوئے سمندر، یہ آسمان سے قطرہ قطرہ برسنے والی بارش یہ سطحِ آب پر رواں کشتیاں اور جہاز، یہ ہر قسم کے چوپائے جو کھانے کے کام بھی آتے ہیں اور نقل وحمل کے بہترین ذرائع بھی ثابت ہوتے ہیں، یہ سب اپنے خالق اور صانع کی قدرت اور حکمت کے زندہ گواہ ہیں، انکی گواہی شہری بھی سن سکتا ہے اور دیہاتی بھی، ان کی زبان عالم بھی سمجھ سکتا ہے اور جاہل بھی، یہ گواہ کل بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ضرورت صرف ان کانوں کی ہے جو حق کی گواہی سن سکیں، ان آنکھوں کی ہے جو دیکھ سکیں، ان دلوں کی ہے جو حق کو قبول کرسکیں۔

یہ سورت زمانۂ جاہلیت کی ایک اور انتہائی قابلِ نفرت سوچ کا تذکرہ کرتی ہے، وہ یہ کہ ایک طرف ان کی نفسیات یہ تھی کہ وہ بیٹیوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اگر ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوجاتی تو وہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور اسے زندہ درگور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے تھے، دوسری طرف وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔(۱۵۔۱۶)

سورۂ زخرف ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تذکرہ کرتی ہے جن کے بارے میں مشرکین کا دعویٰ تھا کہ ہم ان کی ملت اور شریعت پر ہیں، یہاں ان کے اس دعویٰ کی تردید کی جارہی ہے، یہ بتوں کے پجاری کس منہ سے اپنے آپ کو ان کی شریعت کا پیروکار قرار دیتے ہیں جبکہ آپ عقیدۂ توحید کے علمبردار تھے جبکہ یہ سر سے پاؤں تک بُت پرستی کی نجاست میں ڈوبے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں یہی کلمہ توحید چھوڑا تھا۔(۲۶۔۲۸) اسی کلمہ کی جب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کو دعوت دی تو وہ اس دعوت کو سحر اور آپ کو ساحر کہنے لگے، اللہ کے رسول کے بارے میں ان کا تصور اور ان کی سوچ انتہائی حماقت اور جہالت پر

مبنی ہے ''وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بڑے شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟''۔ (۳۱) کیا اللہ کو نبی بنانے کے لئے ایک یتیم فقیر اور غریب آدمی ہی ملا تھا، طائف اور مکہ کے سرداروں میں سے کسی سردار پر نظرِ انتخاب کیوں نہ پڑی؟ اس کا جو جواب دیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے درمیان گزربسر کے ذرائع تک پر تو انہیں کوئی اختیار نہیں، وہ خود اپنے رزق کے بھی مالک نہیں، جب رزق کی تقسیم میں ان کا کوئی اختیار نہیں تو نبوت جیسے عظیم منصب کی تقسیم اور انتخاب میں انہیں کوئی اختیار کیسے دیا جا سکتا ہے۔ ۳۲)

اس کے بعد اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کہ مشرکین کی حماقت اور جہالت کا ایک نمونہ اور جھلک ہے، فرعون کو اپنے اقتدار، سونے چاندی کے انبار اور وسیع اختیارات پر بڑا ناز تھا اور وہ اپنے آپ کو مصر کی سرزمین اور نہروں کا حقیقی مالک سمجھتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا پھر یوں ہوا کہ اسے انہیں نہروں اور دریاؤں میں سے ایک میں غرق کر دیا گیا جو گویا اس کی اجازت کے بغیر اپنا بہاؤ بھی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ (۴۶۔۵۶) سورت کے اختتام پر اللہ اپنے پیغمبر کو جاہلوں سے اعراض کرنے اور صبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تم ان سے منہ پھیر لو اور سلام کہہ دو، انہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔'' (۸۹)

سورۃ الدخان:

سورۂ دخان مکی ہے، اس میں ۵۹ آیات اور ۳ رکوع ہیں، دخان کا معنی ہے دھواں، چونکہ اس سورہ میں اس ''دخان'' کا ذکر ہے جو مشرکین کو قحط کے زمانے میں شدید بھوک کی وجہ سے دکھائی دیتا تھا، اس لئے اسے سورۂ دخان کہا جاتا ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے ''کتاب مبین'' یعنی واضح کتاب کی قسم کھائی ہے، یہ کتاب اعجاز کے اعتبار سے بھی واضح ہے اور احکام و مضامین کے بیان کے اعتبار سے بھی واضح ہے، اللہ نے قسم اسی اعتبار سے کھائی ہے کہ ہم نے اسی کتاب کو مبارک رات میں نازل کیا، اس سے مراد ''لیلۃ القدر'' ہے جو کہ ساری راتوں سے افضل ہے، یہ کتاب اللہ نے بندوں پر رحمت کے طور پر نازل کی ہے ورنہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج نہیں ہے، اللہ کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کو ہدایت سے محروم نہ رکھے۔ (۱۔۸) لیکن مشرکین اور کفار، قرآن اور بعث بعد الموت کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ (۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ان فرعونوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے فرعون کے انجام سے ڈرایا گیا ہے، اس کی ملکیت میں سونے کے انبار تھے، باغات کی بہتات تھی، بیسیوں محلات تھے، سونا اگلتی زمینیں تھیں، ہزاروں خدام اور لونڈیاں تھیں، لاکھوں پر مشتمل فوج تھی۔ مختصر یہ کہ جو کچھ مصر میں تھا وہ سب اسی کا تھا وہ ہر جاندار اور بے جان چیز کا اپنے آپ کو مالک سمجھتا تھا، لیکن یہ سب کچھ اس کے کسی کام نہ آیا اور وہ اپنے ''مظلوموں'' اور محکوموں کی نظروں کے سامنے دریا کی بے رحم موجوں میں غرق ہو گیا، وہ ''آمنت آمنت'' (میں ایمان لے آیا، میں ایمان لے آیا) کہتا ہی رہ گیا۔ لیکن یہ چیخ و پکار اس کے کسی کام نہ آئی، اس نے جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑا، اس سب کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا،

کل کے محکوم آج کے حاکم اور کل کے مملوک آج کے مالک بن گئے ۔(۱۷-۲۹) سورت کے اختتام پر ان ہولناک عذابوں کا ذکر ہے جن کا سامنا اللہ کے نافرمانوں کو کرنا پڑے گا اور چھوٹی سی عقل میں نہ سما سکنے والی ان نعمتوں کا ذکر ہے جن سے اللہ کے نیک بندوں کو نوازا جائے گا۔(۴۳-۵۷)

سورۃ الجاثیہ

سورۂ جاثیہ مکی ہے اس میں ۳۷ آیات اور ۴ رکوع ہیں، یہ بات تو اب قارئین کرام جان ہی چکے ہوں گے کہ جن سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر سورتوں کی ابتداء ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑا معجزہ قرآن عظیم کے ذکر سے ہوتی ہے، سورۃ الجاثیہ میں بھی ایسے ہی ہوا ہے، ''جاثیہ'' کا معنی ہے ''گھٹنوں کے بل بیٹھنا'' چونکہ قیامت کے دن لوگ خوف اور ہیبت کی وجہ سے دربار الٰہی میں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور اس سورہ میں اس خوفناک منظر کا بیان ہے اس لئے اسے ''سورہ جاثیہ'' کہا جاتا ہے۔قرآن کریم کی عظمت کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ سورت ان تکوینی نشانیوں کو بیان کرتی ہے جن میں سے ہر ایک اللہ کی عظمت و جلال اور قدرت و وحدانیت کی زندہ گواہ ہے۔(۳-۶) پھر ان مجرموں کے مکروہ چہرے سامنے لاتی ہے جو آیاتِ الٰہیہ سننے کے باوجود انکار استکبار کی راہ نہیں چھوڑتے اور یوں بن جاتے ہیں گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔(۷-۹) علاوہ ازیں یہ سورت ان نعمتوں کا بھی تذکرہ کرتی ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت، نبوت، پاکیزہ روزی اور اہلِ جہاں پر فضیلت اور عزت کی صورت میں عطا کی تھیں، چاہئے تو یہ تھا کہ ان نعمتوں سے سرفراز ہونے کے بعد وہ عجز واطاعت کا راستہ اختیار کرتے لیکن ہوا یہ کہ وہ بتدریج سرکشی اور معصیت کی راہ پر چل نکلے۔(۱۶-۱۷)

ماضی کے یہ واقعات کفارِ مکہ بلکہ ہر زمانے کے کفار کو سمجھانے کے لئے بیان کئے جاتے ہیں، کفار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ہوں یا موجودہ زمانے کے، ان کے کفر وانکار کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا ہی کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔(۲۴-۲۵) جب کہ قرآن بار بار اس دن پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے جس دن نیک اور بد ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا، قرآن کا انداز کہیں حاکمانہ اور کہیں ناصحانہ ہوتا ہے، کہیں خبر کا اسلوب ہوتا ہے اور کہیں انشاء کا، کہیں سوال و جواب ہوتا ہے اور کہیں یوں منظر کشی کی جاتی ہے گویا قرآن پڑھنے والا اس دن میں قیامت کے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔اس سورت کے آخر میں بھی منظر کشی والا انداز اختیار کیا گیا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ قیامت قائم ہو چکی ہے، حشر کا میدان ہے، لوگ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہیں، اللہ بندوں سے مخاطب ہے، کہا جا رہا ہے کہ تم نے قیامت کو بھلا دیا تھا آج تمہیں بھلا دیا گیا ہے، تم آیاتِ الٰہیہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج تم خود مذاق بن کر رہ گئے ہو۔(۲۸-۳۵)

پارہ ۲۶ کے اہم مضامین

سورۃ الاحقاف

سورۂ احقاف مکی ہے، اس میں ۳۵ آیات اور ۴ رکوع ہیں، اس سورت کا موضوع بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح تینوں بنیادی اسلامی عقائد کا اثبات ہے، سورت کی ابتداء ہوتی ہے قرآن کریم کی حقانیت، توحید اور حشر کے دلائل اور ان بتوں کی مذمت سے جنہیں مشرکوں نے معبود بنا رکھا تھا، حالانکہ وہ نہ تو سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ نفع اور نقصان ان کے اختیار میں تھا اور نہ ہی وہ پرستش کرنے والوں کی دعائیں قبول کر سکتے تھے۔ (۲۔۶) مذکورہ بالا کے علاوہ سورۂ احقاف کے اہم مضامین درج ذیل ہیں۔

1: مشرکین کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو وہ اس پر مختلف شبہات اور اعتراضات وارد کرتے تھے، وہ کبھی تو اسے سحر کہتے تھے اور کبھی آپ کا خود تراشیدہ کلام قرار دیتے تھے، اور کبھی ایمان والوں کے بارے میں کہتے تھے کہ اگر ایمان کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ فقیر، غریب اور مزدور لوگ ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔ مشرکین کے اعتراضات ذکر کرنے کے بعد ان کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ (۷۔۱۲)

2: سورۂ احقاف ہمارے سامنے دو متضاد نمونے پیش کرتی ہے، پہلا نمونہ نیک بیٹے کا ہے جس کا دل نورِ ایمان سے منور ہے اور اس کے قدم جادۂ شریعت پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں، جب اس کے والدین اسے پال پوس کر جوان کر دیتے ہیں، وہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اللہ سے تین دعائیں کرتا ہے، پہلی یہ کہ اے اللہ! تو مجھے نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، دوسری یہ کہ ایسے اعمال کا کرنا میرے لئے آسان کر دے جن سے تو راضی ہو جائے، تیسری یہ کہ میری اولاد کو نیک بنا دے ...... ایسی اولاد کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے (۱۵۔۱۶) دوسرا نمونہ شقی اور نافرمان بیٹے کا ہے، جس کے والدین اسے ایمان قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ جواب میں بڑے تکبر سے کہتا ہے ''اُف اُف! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ مجھے (زمین سے زندہ کر کے) نکالا جائے گا، حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں'' (ان میں سے تو کسی کو میرے سامنے زندہ نہیں کیا گیا) (۱۷) پہلا نمونہ ایمان اور ہدایت والوں کا ہے، دوسرا نمونہ اہلِ کفر و طغیان کا ہے، دونوں کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔

3: یہ دو متضاد نمونے بیان کرنے کے بعد سورۂ احقاف قوم عاد کا قصہ بیان کرتی ہے جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا، انہیں عذاب دینے کے لئے بادل بھیجا گیا، چونکہ کئی دنوں سے شدید گرمی پڑ رہی تھی اس لئے وہ بادل دیکھ کر خوش ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ آج تو موسلادھار بارش ہوگی، وہ خوش ہو کر گھروں سے باہر نکل آئے، اس بادل کے نمودار ہوتے ہی تیز اور طوفانی ہوا چلنے لگی، قوم عاد کے

لوگ بڑے قد آور اور جسیم تھے، ہوا نے انہیں اپنے دوش پر اٹھایا اور فضا میں لے گئی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ کیڑے مکوڑے اڑ رہے ہیں پھر انہیں زمین پر پٹخ دیا، وہ زمین پر مردار پڑے یوں محسوس ہوتے تھے گویا کھجور کے کھوکھلے تنے پڑے ہوئے ہیں، قوم عاد کا واقعہ سنا کر اہل مکہ کو ڈرایا گیا ہے کہ تم ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہو، اگر سرکشی اختیار کرو گے تو تم بھی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ کر رہو گے۔ (۲۱۔۲۶)

4: سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ جو اللہ ارض وسماء کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ (۳۳) اور آخری آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اولوالعزم انبیاء کی طرح صبر کریں، صبر کا انجام ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے۔

سورۂ محمد

سورۂ محمد مدنی ہے، اس میں ۳۸ آیات اور ۴ رکوع ہیں، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی قرآن کریم کی صرف چار سورتوں میں مذکور ہے۔ آل عمران، احزاب، محمد اور سورۂ فتح ...... ان چار مواقع کے علاوہ باقی تمام مقامات پر آپ کی کوئی نہ کوئی صفت بیان ہوئی ہے، اس سورت کو ''سورۃ القتال'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں کفار کے ساتھ قتال کے احکام کا بیان ہے، اس سورت کا موضوع حقیقت میں جہاد و قتال ہے۔ سورت کی ابتداء میں کفار اور مومنین کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے، کفار باطل کی اتباع کرتے ہیں اور اہلِ ایمان حق کی اتباع کرتے ہیں۔ (۱۔۳) جب انسانوں میں ان دو گروہوں کا وجود ہوگا تو ان کے درمیان کشمکش بھی ہوگی، ٹکراؤ بھی ہوگا، معرکۂ کارزار بھی گرم ہوگا اس لئے فرمایا گیا کہ ''جب تم کافروں سے ٹکراؤ تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو باقی بچیں انہیں) مضبوطی سے قید کر لو''۔ ان قیدیوں کو بطور احسان بھی آزاد کیا جا سکتا ہے اور فدیہ لے کر بھی چھوڑا جا سکتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لیا جائے اور چوتھی امکانی صورت یہ بھی ہے کہ انہیں غلام اور لونڈی بنا لیا جائے لیکن لونڈی اور غلام بنانا فرض یا واجب کا درجہ نہیں رکھتا، بلکہ ایک انتظامی اور امکانی صورت ہے جسے بوقت ضرورت اختیار کیا جا سکتا ہے، جس وقت جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت دی گئی اس وقت پوری دنیا میں اس کا رواج تھا، البتہ یہ مظلوم طبقہ کسی بھی قسم کے انسانی حقوق سے محروم تھا، اسلام نے ان کے حقوق متعین کئے۔ انہیں آزاد کرنے کے فضائل بتائے اور ان کے خون کو حرمت بخشی، یہ اسلام کے حقوق دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار غلاموں کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے کوئی مفسر تھا اور کوئی محدث، کوئی فاتح اور کوئی وزیر اور فرمانروا، مسلمانوں نے کبھی بھی ان کی سابقہ غلامی کی وجہ سے انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ سورۃ القتال بتاتی ہے کہ اگر مسلمان اللہ کے دین پر استقامت دکھائیں گے اور اس کی نصرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے تو اللہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں ثابت قدم رکھے گا (۷) اللہ نے اس جنت کی ایک جھلک بھی اس سورت میں بیان کی ہے جس کا ایمان والوں سے وعدہ کیا گیا ہے (۱۲۔۱۵) ایمان والوں کے مقابلے میں منافقوں کا حال بھی بتایا گیا ہے، آیاتِ قتال سن کر ایمان والوں کی

قوتِ ایمانی میں اضافہ ہوجاتا ہے جب کہ منافقوں پر موت کی سی بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے۔ (۲۰۔۲۱) جہاد و قتال اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے آخر میں گویا وعید کے انداز میں کہا گیا ہے ''اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے''۔ (۳۸)

سورۃ الفتح

سورۂ فتح مدنی ہے، اس میں ۲۹ آیات اور ۴ رکوع ہیں، یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لارہے تھے، بخاری اور ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آج شام مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و ما فیہا سے بھی زیادہ محبوب ہے۔'' پھر آپ نے سورۂ فتح کی ابتدائی آیت کا کچھ حصہ تلاوت کیا'' اس سورت کے مضامین بسہولت سمجھنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کردیا جائے۔ ہوا یوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا، جب آپ نے صحابۂ کرام کے سامنے یہ خواب بیان کیا تو انہیں بے حد خوشی ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب برحق ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذو القعدہ ۶ ھ میں ۱۴۰۰ یا ۱۵۰۰ صحابۂ کرام کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جب آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو آپ کو بشر بن سفیان نے اطلاع دی کہ مکہ والے آپ کی روانگی کی اطلاع پاکر باقاعدہ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیجا تا کہ وہ مکہ والوں کو سمجھائیں کہ ہم جنگ کی نیت سے نہیں آئے۔ ہمارا مقصد صرف عمرہ اور زیارت کے سوا کچھ نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کردیا گیا ہے، آپ نے درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنے اصحاب سے عدمِ فرار پر بیعت لی، اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے کیونکہ تمام شرکاءِ بیعت کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میں ان سے راضی ہوگیا ہوں۔ (۱۸) یہ افواہ بعد میں جھوٹی ثابت ہوئی، پھر مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا۔ قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو آئے، بات چیت ہوتی رہی، بالآخر معاہدۂ صلح ہوگیا جس کے مطابق دونوں فریق دس سال تک آپس میں امن و امان سے رہنے اور جنگ نہ کرنے پر متفق ہوگئے، اس معاہدہ کی بعض شقوں سے بظاہر مسلمانوں کی کمزوری ثابت ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا، اس صلح کا فتح مبین ہونا اس وقت بعض مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ واقعی یہ فتحِ مبین تھی اور ابتداءِ اسلام سے اب تک مسلمانوں کو اس سے بڑی فتح حاصل نہیں ہوئی۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ۱۴۰۰ تھی جبکہ صرف دو سال بعد جب ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ قیادت لشکرِ مجاہدین کی تعداد دس ہزار تھی، یہ انقلاب معاہدۂ امن کی وجہ سے برپا ہوا، جب مصالحت کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور معاملات شروع کیے تو مسلمانوں کے کردار، زبان کی سچائی، دامن کی عفت و عصمت اور معاملات کی صفائی

نے مشرکوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر وہ کون سی مخفی قوت ہے جس نے کل کے شرابیوں اور رہزنوں کو زاہد و پارسا بنا دیا ہے، ظاہر ہے یہ قوت صرف ایمان تھی، اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ان کی گردنیں خود بخود ایمان کے سامنے جھک گئیں، سورۂ فتح اسی صلح حدیبیہ کے پس منظر میں نازل ہوئی اس لئے اس میں ان واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں جن کا اس کے ساتھ تعلق اور مناسبت ہے۔ ابتدائی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم ترین فتح کی بشارت سنائی گئی ہے، ایمان والوں کے ساتھ جنت کا وعدہ ہے اور کافروں اور منافقوں کے لئے وعید ہے۔ (۱۔۶)

پھر یہ سورت دو بالکل متضاد گروہوں کا تذکرہ کرتی ہے، پہلا گروہ ان مخلص اہل ایمان کا ہے جنہوں نے وطن سے دور اور غیر مسلح ہونے کے باوجود ہر چہ باداباد کہتے ہوئے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور یہ عہد کیا کہ آپ کی قیادت میں فتح یا شہادت تک قتال کریں گے اور میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، رب کریم کو ان کا یہ جذبہ پسند آیا اور فرمایا ''جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے'' (۱۰)۔ اگلی آیات میں ہے ''(اے پیغمبر!) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوگیا اور ان کے دلوں میں (جو ایمانی جذبہ) تھا اس نے اسے جان لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی'' (۱۸)

دوسرا گروہ ان منافقوں کا تھا جو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور ان کا باطل گمان یہ تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جانے والے مسلمان مکہ سے زندہ سلامت واپس نہیں آسکیں گے، اللہ نے ان منافقین کے بارے میں اپنے نبی کو پیشگی اطلاع دے دی کہ جب آپ واپس جائیں گے تو یہ اپنے پیچھے رہ جانے کے بارے میں جھوٹے اعذار پیش کریں گے۔ (۱۱۔۱۲) سورۂ فتح وہ خواب بھی بیان کرتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں داخل ہونے کے بارے میں دیکھا تھا (۲۷) اس سورت کے اختتام پر تین امور بیان کئے گئے ہیں، پہلا یہ کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ اسے سارے ادیان پر غالب کردیں (۲۸) دوسرے نمبر پر آپ کے صحابہ کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں بڑے مہربان ہیں اور وہ سب رضاء الٰہی کے طالب ہیں اور آخر میں ان لوگوں کے ساتھ مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (اے اللہ! تو ہمیں بھی ان میں سے بنادے)

سورۃ الحجرات

سورۂ حجرات مدنی ہے، اس میں ۱۸ آیات اور دو رکوع ہیں، حجرات حجرہ کی جمع ہے گھر اور کمرے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس میں ان بدوؤں اور دیہاتیوں کا ذکر ہے جو ادب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عوامی انداز میں کمرے سے باہر آوازیں دیا کرتے تھے اس لئے اسے سورۂ حجرات کہا جاتا ہے، چونکہ اس سورت میں مکارم اخلاق بھی بیان ہوئے ہیں اس لئے اسے سورۃ ''الاخلاق والآداب'' بھی کہا جاتا ہے، اس سورت میں

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو پانچ مرتبہ "یا ایھا الذین آمنوا" کہہ کر خطاب کیا ہے، اس سورت کے اہم مضامین کو بالترتیب یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

1: اس کی ابتداء میں اللہ اور اس کے رسول کا ادب بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ مؤمن کو چاہئے کہ جب تک اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہ جان لے، اپنی رائے اور فیصلے کا ہرگز اظہار نہ کرے، یونہی عملی زندگی میں کتاب وسنت سے اعراض کرتے ہوئے اپنے فیصلے خود نہ کرے، اس سے اگلی آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی سے خطاب کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھا کریں، یونہی آپ کا نام یا کنیت ذکر کرکے ایسے نہ پکارا کریں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ (۱۔۲)

2: اجتماعی اور معاشرتی آداب بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ افواہوں پر کان مت دھرا کرو اور اگر کوئی ایسا ویسا آدمی کوئی خبر تم تک پہنچائے تو اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو، خبروں کے بارے میں تحقیق کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اصحابِ رسول کو خطاب کرتے ہوئے ان کی تعریف بھی کی گئی ہے کہ "اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کردیا ہے" (۷)۔

3: اڑتی ہوئی افواہوں پر اعتماد بسا اوقات باہمی قتل وقتال تک پہنچا دیتا ہے، اس لئے سمجھایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں برسرِ پیکار ہوجائیں تو ان کے درمیان صلح کرادیا کرو کیونکہ دنیا بھر کے مسلمان خواہ گورے ہوں یا کالے، امیر ہوں یا غریب، عربی ہوں یا عجمی سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

4: اس کے بعد چھ ایسی معاشرتی خرابیوں اور برائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی وجہ سے باہمی تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں اور ان میں مبتلا انسان اللہ کی نظر میں بھی اچھا شمار نہیں ہوتا، پہلی برائی جس سے منع کیا گیا ہے وہ ہے ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، عام طور پر ایک شخص دوسرے کا مذاق اس وقت اڑاتا ہے جب وہ اسے حقیر اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے، اس لئے فرمایا گیا کہ جن کے ساتھ تم تمسخر کررہے ہو، ہوسکتا ہے وہ اللہ کی نظر میں تم سے بہتر ہوں، دوسری برائی ہے ایک دوسرے پر عیب لگانا، اسے طعنہ دینا، ذلیل اور رسوا کرنا۔ تیسری برائی ہے کسی کو برے لقب سے پکارنا یا اس کا نام بگاڑنا، چوتھی برائی ہے کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا، اللہ کے نبی نے بدگمانی کو بدترین جھوٹ قرار دیا ہے، پانچویں برائی ہے مسلمانوں کے عیوب اور کمزوریوں کو تلاش کرنا اور ان کی ٹوہ میں لگے رہنا، حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "اے وہ لوگو کہ اپنی زبان سے تو ایمان لائے ہو مگر تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا، تم مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں مت لگو، جو ایسا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ گھر کے اندر رسوا فرمادے گا" چھٹی معاشرتی برائی جس سے ان آیات میں منع فرمایا گیا ہے، وہ ہے ایک دوسرے کی غیبت کرنا، غیبت کرنے کو اللہ تعالیٰ نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ (۱۱۔۱۲)

5: باہمی تعلقات کی خرابی کا ایک بڑا سبب حسب نسب اور مال و دولت پر فخر و غرور بھی ہوتا ہے اس لئے سورۂ حجرات میں اس کی بھی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ قوم، قبیلہ، ذات پات اور رنگ و نسل جیسی غیر اختیاری چیزوں میں سے کوئی چیز بھی انسان کو اللہ کے ہاں مکرم اور محبوب نہیں بناتی ہے، اللہ کے ہاں عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے یعنی ہر قسم کے شرک اور حرام سے بچنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا۔

6: آخری آیات میں بتایا گیا ہے کہ صرف لفظی اور ظاہری ایمان کا اعتبار نہیں بلکہ اللہ کے ہاں اس ایمان کا اعتبار ہے جو دلوں میں پیوست ہو جائے اور مومن کو اللہ کی راہ میں مال و جان کی قربانی پر آمادہ کر دے۔

سورۂ ق

سورۂ ق مکی ہے، اس میں ۴۵ آیات اور ۳ رکوع ہیں، یہ سورت اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہے، اسے عام طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین جیسے بڑے اجتماعات میں پڑھا کرتے تھے۔ اس سورت کی ابتداء میں قرآن مجید کی قسم کھائی گئی ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے یعنی کلام میں مذکور نہیں اور وہ ہے ''لتبعثن'' (انہیں مرنے کے بعد دوبارہ ضرور زندہ کیا جائے گا) یہ سورت بتاتی ہے کہ مشرکین کو دوسری زندگی اور انہی میں سے ایک انسان کے نبی بننے پر بڑا تعجب ہوتا تھا۔ (۲۔۳) حالانکہ محسوسات کی اس دنیا میں ایسے عجائبات اور مخلوقات کی کوئی کمی نہیں جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی بے پناہ قدرت کا ادراک کر سکتا ہے (۶۔۱۱) ان سے پہلے قوم نوح، قوم ثمود، قومِ عاد، قومِ لوط، فرعون اور قومِ شعیب بھی انہی کی طرح تکذیب کا راستہ اختیار کر کے ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہیں۔ (۱۲۔۱۴)

یہ سورت انسان کو اس کی مسئولیت کا احساس دلاتی ہے کہ انسان کے دل میں جو وساوس اور خیالات گزرتے ہیں ان تک کا اللہ کو علم ہے اور اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اعمال و اقوال کی نگرانی کرتے ہیں، جب موت آئے گی تو وہ انسان کے اعمال نامہ کو لپیٹ دیں گے اور پھر اسے میدانِ حشر میں اپنے اعمال کا حساب اور جواب دینا ہوگا۔ (۱۶۔۳۷) سورت کے اختتام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی بے ہودہ گوئی پر صبر کی تلقین اور صبح و شام اللہ کی تسبیح اور عبادت کی تلقین کی گئی ہے۔ (۳۹۔۴۰) آخری آیت میں فرمایا گیا ''یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو، جو ہمارے (عذاب کی) وعید سے ڈرے اسے قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔ (۴۵)

سورۃ الذاریات

سورۂ ذاریات مکی ہے، اس میں ۶۰ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت کے آغاز میں چار قسم کی ہواؤں کی قسم کھا کر اللہ فرماتے ہیں کہ ''جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور انصاف کا دن ضرور واقع ہوگا'' (۱۔۶) پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ ''تم ایک متناقض بات میں پڑے ہوئے ہو'' کل کے کافر ہوں یا آج کے کافر ہوں، یہ سب کسی ایک بات پر متفق نہیں، قیامت کے بارے میں، قرآن اور صاحبِ قرآن کے بارے میں ان کے اقوال

پارہ ۲۷ کے اہم مضامین

چھبیسویں پارہ کے آخر میں ان فرشتوں کا ذکر تھا جنہیں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام عام مہمان سمجھے تھے، جب آپ پر ان کی حقیقت کھلی اور پتہ چلا کہ یہ فرشتے ہیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس مہم پر آئے ہو، انہوں نے بتایا کہ ہمیں قومِ لوط پر پتھروں کی بارش برسانے اور انہیں تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، قومِ لوط کے علاوہ سورۂ ذاریات فرعون، قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ نوح کا انجام بتلانے کے بعد ارض و سما کی تخلیق کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اس علمی تحقیق کا اعلان کرتی ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ (۴۹) سورت کے اختتام پر جن وانس کی تخلیق کا مقصد بتایا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت ہے اور یہ خبر دی گئی ہے کہ ساری مخلوق کے رزق کا اللہ کفیل ہے اور کفار و مشرکین کو قیامت کے دن کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سورۂ طور

سورۂ طور مکی ہے، اس میں ۴۹ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا میں پانچ قسمیں کھا کر فرمایا: ''میرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا، اسے کوئی بھی ٹال نہیں سکتا'' (۸-۱) اس کے بعد یہ سورت متقین کے دائمی مسکن یعنی جنت کا تذکرہ کرتی ہے کہ وہاں انہیں حور و غلمان، لذیذ پھل اور گوشت اور لبالب جام جیسی نعمتیں مہیا ہوں گی، پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے ہوئے کہیں گے: ''ہم اس سے پہلے اپنے گھر والوں کے درمیان ڈرا کرتے تھے، پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں تیز گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا، ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ بیشک وہ محسن اور مہربان ہے۔'' (۲۸-۲۶) اگلی آیات میں یہ سورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بارے میں مشرکین کے موقف کی وضاحت کرتی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے تھے اور آپ کو کاہن اور مجنون قرار دیتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ دعوت و تذکیر کا سلسلہ جاری رکھیں، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سورت کے اختتام پر مشرکین کے باطل خیالات کی تردید کی گئی ہے، الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کیے ہیں اور ان احمقوں کی مذمت کی گئی ہے جو ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و دعوت میں صبر کرنے کا اور اللہ کی تسبیح و تحمید کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا اور ظالموں کو دو عذابوں کا سامنا کرنا پڑے گا، ایک دنیا کا عذاب اور دوسرا آخرت کا عذاب۔

سورۃ النجم

سورۂ نجم مکی ہے، اس میں ۶۲ آیات اور تین رکوع ہیں، اس سورت کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

۱۔ اس سورت کی ابتداء میں گرتے ہوئے ستارے کی قسم کھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا بیان کیا گیا ہے اور آپ کے معجزۂ معراج کا ذکر ہے جس میں آپ نے اللہ کی قدرت و بادشاہت کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کیا، حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، جنت، دوزخ، بیت معمور اور سدرۃ المنتہیٰ جیسی

آیات ونشانیوں کی زیارت کی۔(۱۸-۱)

۲۔سورۂ نجم مشرکین کی مذمت کرتی ہے جولات وعزیٰ اور منات جیسے بتوں کی عبادت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔(۲۳-۱۹)

۳۔یہ سورت قیامت کا تذکرہ کرتی ہے جہاں نیک اور برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، متقین کے بارے میں بتاتی ہے کہ وہ بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور کفار کے بارے میں بتلایا گیا کہ وہ اسلام سے اعراض کرتے ہیں۔(۳۵-۳۲)

۴۔یہ سورت بتاتی ہے کہ ہر شخص انفرادی طور پر اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، کسی کے گناہوں کا بوجھ دوسرے پر نہیں لادا جائے گا اور انسان جو اپنی تعریف خود کرتا ہے اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔(۴۲-۳۸)

۵۔یہ سورتِ کریمہ قدرت ووحدانیت کے بعض دلائل ذکر کرتی ہے، مثلاً یہ کہ اللہ ہی ہنساتا اور وہی رلاتا ہے، وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے، اسی نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے، اسی کے ذمے دوبارہ پیدا کرنا ہے، وہی مالدار بناتا اور سرمایہ دیتا ہے، اسی نے نافرمان قوموں کو ہلاک کیا۔(۵۵-۴۳)

سورت کے اختتام پر قرآن کے بارے میں مشرکین کا جو رویہ تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''پس کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو، ہنس رہے ہو روتے نہیں؟ بلکہ تم کھیل رہے ہو اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور اسی کی عبادت کرو۔''(۶۲-۵۹)

سورۃ القمر

سورۂ قمر مکی ہے، اس میں ۵۵ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت میں وعدے بھی ہیں وعیدیں بھی ہیں۔ مومنوں کے لیے بشارتیں بھی ہیں اور کفار کے لیے ڈراوے بھی ہیں، مواعظ اور عبرتیں بھی ہیں اور نبوت ورسالت، بعث ونشور اور قضاء وقدر جیسے بنیادی عقائد بھی ہیں، اس سورت کے اہم مضامین کی چند جھلکیاں یوں پیش کی جاسکتی ہیں:

۱۔اس سورت کی پہلی آیت میں قربِ قیامت اور شقِ قمر کا ذکر ہے، قیامت کے قریب آجانے کا مطلب یہ ہے کہ نبوتِ محمدیہ کے بعد کا زمانہ اس زمانے کے مقابلے میں بہت کم ہے جو آپ سے پہلے گزر چکا ہے، بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشتِ شہادت اور درمیان والی انگلی اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے اور قیامت کو یوں بھیجا گیا ہے''۔ ''شقِ قمر'' ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور معجزہ ہے، جب اہل مکہ نے آپ سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو اس کے دو ٹکڑے ہوگئے لیکن جن کے مقدر میں ہدایت نہ تھی وہ کہاں ماننے والے تھے اسی لیے فرمایا گیا کہ ''اگر یہ کوئی بھی معجزہ دیکھ لیں تو منہ پھیر لیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے''(۳) اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ ان سے اعراض فرمائیں اور اس دن کا انتظار کریں جب یہ قبروں سے اس حال میں کھڑے ہوں گے کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، چہروں پر ذلت کی سیاہی چھائی ہوگی، پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے اور وہ دن ان کے لیے انتہائی

سخت ثابت ہوگا۔

۲۔اس کے بعد یہ سورت کفارِ مکہ کو ڈراتی ہے کہ کہیں تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آجائے جیسا عذاب تم سے پہلی اقوام پر آیا کیونکہ تم بھی انہی جرائم کا ارتکاب کررہے ہو جن جرائم کا ارتکاب وہ کرتی تھیں، یہاں جن تباہ شدہ اقوام کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے، ان کی تباہی کا قصہ بیان کرنے کے بعد عام طور پر یہ سوال بار بار کیا ہے کہ ''بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟'' اور اس سوال کے متصل بعد یہ اطلاع دی ہے کہ ''اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے''؟

قرآن کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے پڑھنا، حفظ کرنا، اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے، اس کے آسان ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ ایسے دیہاتی بھی قرآن کریم کی تلاوت بسہولت کرلیتے ہیں جو اپنی مادری زبان میں چھوٹا سا کتابچہ بھی نہیں پڑھ سکتے، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اپنے سینے میں ساری نزاکتوں اور قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے اپنے سینے میں محفوظ کرلیتے ہیں، جب صاف دل والے اسے پڑھتے اور سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں اور دلوں میں عمل کا جذبہ بیدار ہوجاتا ہے، اس کے آسان ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر کس وناکس اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی آیات سے مسائل استنباط کرنے لگے اور مجتہد بن کر بیٹھ جائے۔

۳۔سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''ہم نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے پر پیدا کیا ہے'' (۴۹) اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر، سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، مرتّب اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہے، جو کچھ ہونے والا ہے، سب لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور موجود ہونے سے پہلے ہی اللہ کو معلوم ہے، اس آیتِ کریمہ سے اہل سنت والجماعت نے عقیدۂ تقدیر کے اثبات پر استدلال کیا ہے۔ان آیات میں یہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ انسانوں کے بارے میں چھوٹی بڑی باتیں سب لوحِ محفوظ میں بھی درج ہیں اور کراماً کاتبین بھی لکھ رہے ہیں، لہٰذا کسی بھی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے اور کسی بھی نیکی کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے۔آخر میں متقین کو اچھے انجام، اللہ کی رضا اور عزت کے مسکن کی بشارت سنائی گئی ہے۔(۵۲-۵۵)

سورۃ الرحمٰن

سورۂ رحمٰن مدنی ہے، اس میں ۷۸ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس کا دوسرا نام ''عروس القرآن'' بھی ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر چیز کی عروس (دلہن، زینت) ہوتی ہے قرآن کی عروس سورۂ رحمٰن ہے'' اس سورت میں باری تعالیٰ نے اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے سب سے پہلی نعمت قرآن کا اتارا جانا اور بندوں کو اس کی تعلیم دینا ہے، یقیناً یہ نعمتِ کبریٰ ہے، کوئی مادی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، ہر نعمت کا کوئی نہ کوئی بدل ہوسکتا ہے لیکن قرآن کا بدل کوئی چیز بھی نہیں بن سکتی، اس کی ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، قرآن ساری آسمانی کتابوں کے مضامین کا محافظ، جامع اور ناسخ

ہے، رب تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز اپنی صفت ''الرحمٰن'' سے فرمایا ہے، گویا متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی ساری نعمتیں خصوصاً قرآن کی نعمت اس کے رحمٰن ہونے کے آثار اور فیوضات ہیں، وہ رحمٰن ہونے کی وجہ سے بندوں پر رحم کرتا ہے، انہیں ہر طرح کی نعمتیں عطا فرماتا ہے، ان کی تعلیم اور ہدایت کے لیے اس نے قرآن نازل کیا ہے۔ قرآن کے شرف وعظمت کو بتانے کے لیے تعلیمِ قرآن کو تخلیقِ انسان سے بھی پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ سورت صحیفۂ کائنات پر پھیلی ہوئی اللہ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کرتی ہے۔ سورج اور چاند جو اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں ہیں، ستارے اور درخت جو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں، زمین جسے مخلوق کے لیے کسی فرش کی طرح بچھا دیا گیا ہے، مختلف میوے، اناج اور پھل پھول جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے، میٹھے اور کھارے پانی کے دریا جو اپنی اپنی جگہ جاری ہیں، وہ موتی اور مونگے جو ان دریاؤں سے نکالے جاتے ہیں، پہاڑوں جیسی بلندی اور پھیلاؤ رکھنے والے وہ جہاز جو سمندروں میں چلتے ہیں اور حمل ونقل کے ذرائع میں سے کل بھی سب سے بہتر ذریعہ تھے اور آج بھی بہترین ذریعہ ہیں۔

ان دنیاوی نعمتوں کے علاوہ اخروی نعمتوں اور عذابوں کا بھی سورۂ رحمٰن میں ذکر ہے، آگ کے وہ شعلے اور دھواں جن میں سانس لینا دوبھر ہو جائے گا، وہ جہنم جس کی ایک چنگاری بھی انسان کو جلانے کے لیے کافی ہوگی، وہ کھولتا ہوا پانی جسے دوزخی مجبوراً پئیں گے اور وہ ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا، دوسری طرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے گنجان ٹہنیوں اور شاخوں والے دوسر سبز باغات، ان میں بہتے ہوئے چشمے، ہر قسم کے میووں کی دو دو قسمیں، بچھے ہوئے قالین اور دبیز ریشم کے تکیے کے ساتھ جنتی ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، مذکورہ دو باغات کے علاوہ دو باغ اور بھی ہوں گے جو پہلے دو باغوں سے کم تر ہوں گے، ان میں دو چشمے ابل رہے ہوں گے، متنوع میوہ جات ہوں گے، شرم وحیاء اور حسن وجمال کا پیکر حوریں ہوں گی، دنیا اور آخرت کی یہ ساری نعمتیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ۳۱ بار سوال کیا ہے کہ ''فبای آلاء ربکما تکذبن'' (پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟'' اگر دو چار یا دس بیس نعمتیں ہوں تو ان کو جھٹلا سکتے ہو مگر جہاں یہ حال ہو کہ نعمتیں حدوحساب سے بھی باہر ہوں تو وہاں انہیں جھٹلانا ناممکنات میں سے ہے۔

اگر اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے ابتداء میں اپنی تخلیق کے عجائب اور مظاہر ذکر کیے ہیں اور ان کے ضمن میں یہ آیت ''فبای آلاء ربکما تکذبن'' آٹھ بار آئی ہے، اس کے بعد جہنم اور اس کے عذابوں کا ذکر کرتے ہوئے سات بار یہ آیت ذکر کی ہے، قرآن پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ جہنم کے دروازے بھی سات ہیں، پھر جنت کے باغات اور اہل جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے آٹھ بار یہ آیت آئی ہے، اتفاق سے جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں، آخر میں ایسے باغات کا ذکر ہے جو درجہ کے اعتبار سے پہلے باغات سے کم ہیں، ان باغات کے ضمن میں بھی یہ آیت آٹھ بار آئی ہے، اس ترتیب اور تقسیم سے اہل علم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص پہلی آٹھ پر اعتقاد رکھے گا اور ان کے تقاضوں پر عمل رکھے گا اسے باری تعالیٰ جہنم کے سارے دروازوں سے

بچا لے گا اور دونوں قسم کی جنتوں کا حق دار بنا دے گا۔ کج فہموں نے اعتراض اٹھایا ہے کہ جہنم اور جہنم کے عذاب کون سی نعمت ہیں کہ ان کا ذکر کرتے ہوئے بھی بار بار سوال کیا گیا ہے ''بتاؤ اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟'' اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ ظالموں، سرکشوں اور نافرمانوں کو عذاب دینا اللہ کے عدل کا تقاضا اور مظلوموں کے حق میں رحمت اور نعمت ہے، دوسرا یہ کہ کفر وشرک اور فسق وفجور کا انجام ظہور سے پہلے ہی بندوں کو بتا دینا کریم ورحیم ذات کا بہت بڑا احسان ہے۔ کیا یہ امر باعثِ تعجب نہیں کہ دنیا کے کسی خطرہ اور مصیبت کی پیشگی اطلاع دینے والے کو تو ہم اپنا محسن سمجھیں لیکن اس مالک کو محسن نہ سمجھیں جس نے ہمیں آخرت کے خطرات کے بارے میں دنیا ہی میں مطلع فرما دیا جبکہ دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اور دنیا کے خطرات آخرت کے خطرات کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

سورت کے اختتام پر فرمایا: ''تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت وجلال والا ہے'' اہل علم کہتے ہیں کہ اس ''نام'' سے مراد وہی نام ہے جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا، گویا آخر میں دوبارہ اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ ارض وسما کی تخلیق ہو یا جنت دوزخ کا وجود اور اس سورت میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ سب اس ''رحمٰن'' کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

سورۃ الواقعہ

سورۂ واقعہ مکی ہے، اس میں ۹۶ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اسے ''سورۃ الغنیٰ'' بھی کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جو شخص ہر رات سورۃ الواقعہ پڑھے گا اسے کبھی بھی فاقہ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا'' (واللہ اعلم بالصواب) یہ سورت بتاتی ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو زمین میں زلزلہ برپا ہو جائے گا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور انسان تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے یعنی اصحاب یمین (جو کہ جنتی ہوں گے) اصحابِ شمال (دوزخ میں جانے والے) اور سابقون (خواص مومنین جو نیکی کے کاموں میں دوسروں سے سبقت لے جاتے تھے) انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کی جزا بھی ذکر کی گئی ہے۔ (۱-۵۶)

اس کے بعد یہ سورت اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت اور کمال قدرت پر دلائل قائم کرتی ہے اور بعث اور حساب کو ثابت کرتی ہے، وہ اللہ جو پانی کے قطرے سے انسان بنا سکتا ہے، مٹی میں ڈالے جانے والے بیج کو پودا اور درخت بنا سکتا ہے، بادلوں سے پانی برسا سکتا ہے اور درخت سے آگ پیدا کر سکتا ہے، وہ مردہ انسان کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ اپنی قدرت کے بیان کے بعد باری تعالیٰ نے اپنے کلام کی عظمت بیان کی ہے، عظمتِ قرآن کے بیان کے لیے اللہ نے ستاروں کے گرنے کی قسم کھائی ہے، اس قسم کے بارے میں اللہ خود فرماتا ہے کہ ''اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے'' (۷۶) یہ قسم کھا کر فرمایا ''بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے، جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔''

(۷۷-۸۰)

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کو عظیم قرار دیا تھا، آج سائنس کروڑوں ستاروں پر مشتمل دنیا کے بارے میں جن تحقیقات اور عجائبات کا اظہار کر رہی ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی یہ بڑی قسم ہے، ستاروں اور قرآن کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جیسے ستاروں کے ذریعے بر و بحر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے یونہی قرآنی آیات سے جہالت اور ضلالت کی ظلمات سے سامانِ ہدایت حاصل کیا جاتا ہے، جیسے ستاروں کی دنیا کے سارے عجائب ابھی تک انسان پر آشکارا نہیں ہوئے، یونہی قرآن کریم کی آیات و سور میں پوشیدہ سارے علوم و معارف سے بھی انسان آگاہ نہیں ہو سکا۔ سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسانوں کے تینوں گروہوں کے لیے جس جزا اور سزا کی میں نے خبر دی ہے ”یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح بیان کر“ (۹۵-۹۶)

سورۃ الحدید

سورۂ حدید مدنی ہے، اس میں ۲۹ آیات اور ۴ رکوع ہیں، ”حدید“ لوہے کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں اللہ نے لوہا پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس لیے اسے سورۂ حدید کہا جاتا ہے، اس سورت میں بنیادی طور پر تین مضامین مذکور ہیں۔

پہلا یہ کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، کائنات کی ہر چیز اس کی حمد اور تسبیح بیان کرتی ہے۔ انسان اور حیوان، شجر و حجر، جن اور فرشتے، جمادات اور نباتات سب کے سب زبانِ حال اور زبانِ قال سے اس کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتے ہیں۔ جب کچھ نہیں تھا، وہ تھا، جب کچھ بھی نہیں رہے گا، وہ تب بھی ہوگا، وہ ہر چیز پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، وہ ظاہر اتنا ہے کہ ہر چیز میں اس کی شان ہویدا ہے اور باطن اور مخفی ایسا ہے کہ کوئی عقل اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اور حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ (۱-۶)

دوسرا مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ یہ کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے اور دین کی سربلندی کے لیے مال اور جان قربان کر دینے کا حکم دیا گیا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ”تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حقیقت میں تو آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک اللہ ہی ہے“ (۱۰) تمہاری موت کے بعد تمہارے مال و متاع اور سیم و زر کا وہ اکیلا ہی وارث ہوگا، پھر فرمایا ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے“ (۱۱) انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ مخلص اہلِ ایمان اور منافقوں کا جو حال ہوگا اسے بیان کیا گیا ہے۔ (۱۲-۱۵) پھر ایمان والوں کو جھنجھوڑنے والے انداز میں خبردار کیا گیا ہے کہ وہ منافقوں اور یہود و نصاریٰ کی طرح دنیا کی زندگی اور اس کی ظاہری کشش سے دھوکہ نہ کھائیں۔ ارشاد ہوتا ہے ”کیا اب تک ایمان والوں کے

لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکرِ الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں (۱۶)

تیسرا مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ یہ کہ اللہ نے انسان کے سامنے دنیا کی زندگی کی حقیقت بیان کی ہے تا کہ وہ اس کی ظاہری زیب وزینت سے دھوکہ نہ کھا جائے، سمجھایا گیا کہ دیکھو! یہ دنیا سراب ہے، دھوکہ ہے، لہوولعب ہے، کم عقل لوگ مال واولاد کی کثرت پر فخر کرتے ہیں، حسب نسب پر اکڑتے ہیں، اپنی پوری زندگی اور ساری صلاحیتیں دنیا کا سامان جمع کرنے میں لگا دیتے ہیں، اس دنیا کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس کی سرسبزی اور تروتازگی دیکھ کر کاشت کار خوش ہوتا ہے، دیکھنے والے رشک کرتے ہیں پھر ایک وقت آتا ہے کہ کوڑا کرکٹ بن کر سب کچھ ہوا میں اڑ جاتا ہے، یہی دنیا کی زندگی کا حال ہے، یہ فانی ہے اور یہاں کی ہر چیز زوال پذیر ہے لیکن آخرت کی زندگی دائمی ہے اور وہاں کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ (۲۰) اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے دوڑ لگاؤ، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو (۲۱) سورت کے اختتام پر اللہ سے ڈرنے والوں اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے دہرے اجر کا اور نور عطا کرنے کا وعدہ ہے جس کی روشنی میں وہ چلیں پھریں گے (۲۸) (اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ نور عطا فرمائے۔ آمین)

پارہ ۲۸ کے اہم مضامین

سورۃ المجادلہ

سورۂ مجادلہ مدنی ہے، اس میں ۲۲ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت میں عام مدنی سورتوں کی طرح شرعی احکام کا بیان اور منافقین کا تذکرہ ہے، اس سورت کی ابتداء میں حضرت خولہ بنت ثعلب رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اپنے شوہر حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر آئی تھیں، جنہوں نے ان سے ظہار کرلیا تھا اور شکایت کا انداز ایسا تھا کہ گویا وہ جھگڑ رہی ہیں، اس لیے انہیں ''مجادلہ'' (جھگڑنے والی) کہا گیا اور سورت کا نام بھی اس واقعہ کے پسِ منظر میں مجادلہ قرار پایا۔ زمانۂ جاہلیت میں ظہار (اپنی بیوی کو ماں کی طرح حرام قرار دینا) طلاق کے حکم میں تھا اور اس کی وجہ سے بیوی شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی تھی، قرآن نے اس حرمت کی ایک حد مقرر کردی جو کہ کفارہ دینے سے ختم ہوجاتی ہے (۱-۴) سورۂ مجادلہ کے دوسرے اہم مضامین درج ذیل ہیں۔

(۱) یہ سورت سرگوشی کا حکم بیان کرتی ہے، یعنی اگر دو یا زیادہ شخص دوسرے لوگوں کے سامنے ایک دوسرے کے کان میں بات چیت شروع کردیں تو اس کا کیا حکم ہے، جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو تین افراد کی صورت میں دو کی سرگوشی کو آدابِ مجلس کے خلاف قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے تیسرے کے دل میں یہ بدگمانی آسکتی ہے کہ شاید یہ دونوں میرے بارے میں کوئی خفیہ بات کررہے ہوں لیکن یہاں جس سرگوشی سے منع کیا جارہا ہے وہ یہود کی عادت تھی، وہ محض مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے آپس میں کانا پھونسی کیا کرتے تھے۔ یونہی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے تو منہ بگاڑ کر ''اسام علیک یا ابا القاسم'' کہا کرتے تھے، ان آیات میں ان قبیح حرکات پر ان کی مذمت کی گئی ہے، البتہ ایسی سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں کی اجازت دی گئی ہے جو نیکی اور تقویٰ کے بارے میں ہوں۔

(۲) اجتماعی آداب میں سے مجلس کا ادب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تمہیں مجلس میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کہا جائے تو وسعت پیدا کردیا کرو اور اگر تمہیں مجلس سے اٹھ جانے کے لیے کہا جائے تو اٹھ جایا کرو (۱۱) یہ حکم صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر باوقار مجلس کے لیے ہے جو دین کے کسی بھی شعبہ کے سلسلے میں منعقد ہوئی ہو لیکن یہ کوئی فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے، جو شخص پہلے سے مسجد میں یا کسی اور مجلس میں بیٹھا ہو، وہ اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہوتا ہے البتہ اسے چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو بعد میں آنے والے مسلمان بھائی کے لیے وسعت پیدا کرے۔

(۳) یہ سورت ان منافقوں کا بھی تذکرہ کرتی ہے جو یہود سے دوستی بھی رکھتے تھے اور اپنے مومن ہونے پر قسمیں بھی کھاتے تھے، ان کے بڑے بڑے دعاوی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں ''حزب الشیطٰن'' (شیطان کی

جماعت) قرار دیا ہے جو کسی صورت بھی اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے خواہ وہ ان کے ماں باپ، بیٹے، بھائی اور قبیلے والے ہی کیوں نہ ہوں، ان سعادت مندوں کے لیے اللہ نے چار نعمتوں کا اعلان فرمایا ہے، پہلی یہ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے، دوسری یہ کہ ان کی غیبی مدد کی جائے گی، تیسری یہ کہ انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا، چوتھی یہ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ بھی اللہ کی نعمتوں اور عطا پر راضی ہو گئے۔ (۱۴-۲۲)

سورۃ الحشر

سورۂ حشر مدنی ہے، اس میں ۲۴ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت کے اہم مضامین درج ذیل ہیں۔

(۱) ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا بیان کرتی ہے اور اس کی وحدانیت اور قدرت وجلال کی گواہی دیتی ہے۔

(۲) پھر یہ سورت قدرتِ الٰہیہ کے بعض آثار اور زندہ دلائل کا تذکرہ کرتی ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہود جو کہ عرصۂ دراز سے یثرب میں قیام پذیر تھے انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے بڑے مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے، معاشی وسائل پوری طرح ان کے قبضے میں تھے، یثرب والوں کو انہوں نے سودی قرضوں کی سنہری زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ کوئی بھی ہمیں یہاں سے نہیں نکال سکتا لیکن ان کے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آ کر رہا اور انہیں دوبار حشر کا سامنا کرنا پڑا (حشر جمع اور اخراج کے معنی میں ہے) حشرِ اول میں انہیں مدینہ منورہ سے شام کی طرف دھکیل دیا گیا اور حشرِ ثانی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خیبر سے شام کی طرف چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ یہود کا مدینہ اور خیبر سے نکل جانا ایک ایسا واقعہ تھا کہ یہود تو کیا خود مسلمانوں کے لیے قطعی طور پر غیر متوقع تھا، ان کی معاشی خوشحالی، دفاعی انتظامات اور مضبوط جماعتی نظم کی وجہ سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انہیں بصد ذلت وخواری مدینہ منورہ اور خیبر سے نکلنا پڑے گا لیکن اللہ نے جب انہیں ان کی عہد شکنی، تکذیب وانکار، تکبر اور سرکشی کی وجہ سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تو ظاہری اسباب ان کے کسی کام نہ آئے اور اللہ کا فیصلہ وقوع پذیر ہو کر رہا۔ (۲-۵)

(۳) جب یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تو بہت سارا مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، جو مالِ غنیمت قتل وقتال کے بغیر ہاتھ آ جائے اسے اصطلاح میں "مالِ فیٔ" کہتے ہیں، اس مالِ فیٔ کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس میں مجاہدین میں سے کسی کا حق نہیں بلکہ اس کی تقسیم کا اختیار اللہ کے نبی کو ہے۔ وہ اسے فقراء، ضعفاء، مساکین، حاجتمندوں اور قرابت داروں میں تقسیم کریں گے، یہاں اگرچہ مسئلہ تو مالِ فیٔ کی تقسیم کا بیان ہو رہا ہے لیکن اس کے ضمن میں اسلامی اقتصادیات کا ایک اہم فلسفہ بھی بیان کر دیا گیا ہے وہ یہ کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ "دولت چند اغنیاء کے ہاتھوں میں گردش کرتی رہے" بلکہ اسلام اس کا اس طریقے سے پھیلاؤ چاہتا ہے کہ سوسائٹی کا کوئی فرد اور کوئی طبقہ بھی محروم نہ رہے۔ زکوٰۃ، صدقات، میراث اور خمس وغیرہ کی تقسیم میں یہی فکر کارفرما ہے،

اقتصادیات کے اس عظیم قاعدہ کے علاوہ قانون سازی کے منبع اور مصدر کی بھی وضاحت کردی گئی ہے وہ یہ کہ ''جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو'' (۷) وہ تمام قوانین اور مسائل واحکام جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی طرف سے لے کر آئے ان کی اتباع واجب ہے خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو یا سنتِ صحیحہ کی صورت میں، کتاب وسنت کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی قسم کی قانون سازی جائز نہیں۔

(۴) سورۂ حشر جہاں ایک طرف اللہ کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دینے والے مہاجرین اور انصار اور ان کی اتباع کرنے والے قیامت تک کے مسلمانوں کی تعریف کرتی ہے اسی طرح ان منافقوں کی مذمت بھی کرتی ہے جو یہود کو برے وقت میں اپنے تعاون کا یقین دلاتے رہتے تھے، اللہ فرماتے ہیں ''ان دونوں گروہوں (یہود اور منافقین) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں دوزخ میں داخل ہونگے، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔'' (۹-۱۷) سورۂ حشر کے آخری رکوع میں ایمان والوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے، انہیں سمجھایا گیا ہے کہ تم ان یہود ونصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے حقوق اللہ کو بھلا دیا، جس کی پاداش میں اللہ نے انہیں خود ان کی ذات کے حقوق بھی بھلا دیئے اور وہ آخرت کو بھول کر حیوانوں کی طرح نفسانی خواہشات کی تکمیل ہی میں لگے رہے، علاوہ ازیں اہلِ ایمان کو کتاب اللہ کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ اگر اللہ پہاڑوں کو عقل وشعور عطا فرما دیتا اور پھر ان پر قرآن نازل کر دیتا تو وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے، افسوس ہے انسان پر کہ وہ اس بے مثال کلام کی عظمت سے ناواقف ہے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ سورت کے اختتام پر اسماء حسنیٰ کے ضمن میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کا بیان ہے اور آخر میں وہی الفاظ ہیں جن سے اس سورت کا آغاز ہوا تھا یعنی یہ کہ ''جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔'' (۱۸-۲۴)

سورۃ الممتحنہ

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، اس میں ۱۳ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کا ابتدائی حصہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا جنہوں نے مشرکینِ مکہ کو ممنونِ احسان کرنے کے لئے خفیہ طریقے سے مکہ کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع دینے کی کوشش کی تھی، وہ بدری اور مخلص صحابی تھے مگر ان سے ایک ایسی حرکت ہوگئی جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ تھی بعد میں انہیں اس پر سخت ندامت ہوئی، انہوں نے صدقِ دل سے توبہ کی جو کہ قبول کرلی گئی، اس پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ایمان والوں کو اللہ نے حکم دیا کہ کفار جو کہ میرے دشمن بھی ہیں اور تمہارے دشمن بھی ہیں انہیں دوست نہ بناؤ! یہ وہ سنگدل لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کی سرزمین ایمان والوں پر تنگ کردی اور انہیں وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا، آج بھی ان کے دلوں میں آتشِ غضب بھڑک رہی ہے اور انہیں مسلمانوں کو دکھ دینے اور نقصان پہنچانے کا جو بھی موقع ہاتھ آتا ہے اسے ضائع نہیں جانے دیتے، خواہ وہ موقع ہاتھ چلانے کا ہو یا زبان چلانے کا، یہ رشتے ناتے جنہیں تم بڑی چیز سمجھتے ہو اور قبول ایمان کے باوجود ان کے مفادات کا خیال رکھتے ہو، یہ قیامت کے دن تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گے، وہاں باپ

بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی کر دی جائے گی، جب ان رشتوں کا یہ حال ہے تو ان کی خاطر اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کرنا اور جماعتِ اسلامیہ کے رازوں کا افشاء کہاں کی دانشمندی ہے، اسی سوچ کی تائید اور تقویت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اللہ کے لیے اپنی مشرک قوم سے برات کا اعلان کر دیا تھا، ان کے نام لیواؤں پر بھی لازم ہے کہ وہ کسی سے محبت کریں تو صرف اللہ کے لیے اور دوری اختیار کریں تو صرف اللہ کے لیے (۱-۶)

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے مقاطعہ کا حکم دیا تو انہوں نے اس کی تعمیل میں دیر نہ کی، باپ نے بیٹے سے اور بھائی نے بھائی سے تعلق ختم کر دیا۔ یوں ان کے ایمانی دعووں کی سچائی بالکل واضح ہو کر سامنے آ گئی لیکن خونی رشتے اور وطن ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی طرف میلان اور ان کی محبت اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے، اس لیے قرآن ان فطری جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو ایک بشارت سناتا ہے اور ایک معاملہ کی اجازت دیتا ہے۔ بشارت تو یہ سنائی گئی کہ ”کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے، اللہ قدرت والا ہے اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے“ یعنی ہوسکتا ہے کہ تمہارے رشتہ داروں کو بھی ایمان قبول کرنے کی توفیق دے دی جائے یوں آج کے دشمن کل کے دوست بن جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بے شمار مشرکوں کو اسلام کی حقانیت کے سامنے گردن جھکانے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ (۷) جس معاملہ کی اجازت دی گئی وہ یہ تھا کہ جن لوگوں نے نہ تو قبولِ ایمان کی وجہ سے تمہارے ساتھ قتال کیا اور نہ ہی تمہیں گھروں سے نکالا تم ان سے حسنِ سلوک کر سکتے ہو (۸) اصل میں اسلام محبت اور سلامتی کا دین ہے، وہ محض دھونس جمانے اور کسی اعلیٰ مقصد کے بغیر ملک اور زمین ہتھیانے کے لیے جنگ کی اجازت نہیں دیتا، وہ ان غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک اور تعاون کی تلقین کرتا ہے جو جنگ کو ناپسند کرتے ہوں اور امن کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہوں۔

سورۂ ممتحنہ ان خواتین کے بارے میں بھی رہنمائی کرتی ہے جو ایمان قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں، ان کے بارے میں حکم دیا گیا کہ ان کا امتحان لے لو اور انہیں اچھی طرح جانچ لو کہ آیا واقعی انہوں نے ایمان کی خاطر ہجرت کی ہے، اگر تمہیں ان کے ایمان پر اطمینان ہو جائے تو پھر انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو (امتحان کا ذکر آنے کی وجہ ہی سے اس سورت کو ”ممتحنہ“ کہا جاتا ہے) مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن ”عقبہ بن ابی معیط“ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئیں اور ان کا والد معاہدہ حدیبیہ کے پیشِ نظر انہیں واپس لانے کے لیے مدینہ پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہہ کر خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا کہ ہمارا معاہدہ صرف ایمان لانے والے مردوں کے بارے میں تھا خواتین کے بارے میں نہیں تھا۔ اس سورت کی آخری آیت میں دوبارہ تاکید کی گئی ہے ”اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جیسے کہ قبر والوں سے کافر مایوس ہیں۔“

سورۃ الصف

سورۂ صف مدنی ہے، اس میں ۱۴ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کا موضوع جہاد وقتال ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرنے کے بعد مسلمانوں کو سختی سے تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے عہد کی پابندی کیا کریں اور جو کچھ زبان سے کہیں اسے کر کے بھی دکھائیں، پھر یہ سورت مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے امتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ اور دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط اور متحد ہو کر کھڑے ہونے کی تلقین کرتی ہے (۱-۴) اس کے بعد بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتی ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وقت مخالفت کی جب آپ نے انہیں قوم عمالقہ کے ساتھ جہاد کا حکم دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت سنائی تھی اور اس کی اتباع کا حکم دیا تھا، بنی اسرائیل نے اس حکم کو بھی پسِ پشت ڈال دیا۔ (۵-۶) یہ سورت یہ بشارت بھی سناتی ہے کہ دین اسلام سارے ادیان پر غالب آ کر رہے گا، حجت اور دلیل کے میدان میں تو اسے اول روز ہی سے غلبہ حاصل ہے، مادی، سیاسی اور ظاہری اعتبار سے بھی وہ دن دور نہیں جب اسلام پوری دنیا پر غالب ضرور آئے گا (۹) اگلی آیات میں سورۂ صف مسلمانوں کو ایک ایسی تجارت کی دعوت دیتی ہے جس میں خسارہ کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس تجارت کا دوسرا فریق وہ اللہ ہے جس کے ساتھ معاملہ کرنے والا کبھی نقصان میں نہیں رہتا، وہ تجارت ہے اللہ اور رسول پر ایمان اور اللہ کی رضا کے لیے مال وجان کے ساتھ جہاد، اور اس کا متوقع نفع ہے گناہوں کی مغفرت، جنت میں داخلہ، اللہ کی مدد اور دنیائے کفر پر غلبہ، سورت کے اختتام پر اہلِ ایمان سے کہا گیا ہے کہ تم اللہ کے دین کی دعوت اور مدد کے لیے ایسے ہی کھڑے ہو جاؤ جیسے حواری اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ سورت کی ابتداء میں خاص خاص باتیں کرنے اور کھوکھلے نعرے لگانے سے منع کیا گیا تھا اور اختتام پر دینِ الٰہی کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہونے اور کچھ کر کے دکھانے کا حکم دیا گیا ہے، یوں اس کی ابتداء اور انتہاء میں پوری مناسبت پائی جاتی ہے۔

سورۃ الجمعہ

سورۂ جمعہ مدنی ہے، اس میں ۱۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کا محور جس پر پوری سورت گھومتی ہے، اس بارِ امانت کو بیان کرنا ہے، جسے پہلے بنی اسرائیل کے کندھوں پر رکھا گیا لیکن وہ اس کا حق ادا نہ کر سکے اور ان کی مثال اس گدھے کی سی ہوگئی جس پر بڑی متبرک اور علمی کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو، اس بوجھ سے اس کی کمر جھکی جا رہی ہو لیکن ان کتابوں میں جو علوم ومعارف اور جواہر واسرار ہیں، ان سے وہ قطعاً بے خبر ہو اور نہ ہی ان سے اسے کچھ فائدہ حاصل ہو رہا ہے، سورۂ جمعہ کا آغاز ہوتا ہے اللہ کی تسبیح وتحمید کے بیان سے، اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور بعثت کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں یعنی تلاوتِ کتاب، تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت (۱-۳) پھر یہود کا تذکرہ ہے جس میں وحی آسمانی یعنی تورات کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر مقدس کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو اور انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی ہے کہ اگر

واقعی وہ ''اولیاء اللہ'' ہیں تو پھر موت کی آرزو کریں کیونکہ ''اولیاء اللہ'' کے لیے یہ جہاں تو قید خانہ ہے اور آخرت میں ان کے لیے نعمت وفرحت اور خوش عیشی کے ہزاروں سامان ہیں۔ ساتھ ہی پیشگوئی بھی کردی گئی ہے کہ یہ موت کی آرزو کبھی بھی نہیں کریں گے (۵-۷) چنانچہ قرآن کی یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوکر رہی۔ سورت کا اختتام ہوتا ہے مومنوں پر نمازِ جمعہ کی فرضیت کے بیان سے، انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اذان سنتے ہی ہر قسم کی تجارت اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑا کرو، البتہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد انہیں دوبارہ کسبِ معاش میں لگ جانے کی اجازت ہے۔ (۸-۹)

سورۃ المنافقون

سورۂ منافقون مدنی ہے، اس میں ۱۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت میں منافقوں کے اخلاق، ان کے جھوٹ، ان کی دسیسہ کاریاں، مسلمانوں کے لیے ان کے بغض وعناد اور ان کے ظاہر وباطن کے تضاد کو بیان کیا گیا ہے، یوں تو منافقوں کا مکروہ چہرہ اور قابلِ نفرت اوصاف کئی دوسری سورتوں میں بھی دکھائے گئے ہیں لیکن یہ سورت تو گویا صرف ان کی مذمت کے لیے مخصوص ہے، سورت کی ابتداء ہوتی ہے منافقین کی صفات کے بیان سے جن میں سے نمایاں ترین صفات جھوٹ، مکر، دھوکا اور ظاہر وباطن کا تضاد تھا، ان کے دلوں میں کچھ تھا اور زبانوں پر کچھ تھا (۱-۳) آگے بتایا گیا ہے کہ منافق ظاہر کے اعتبار سے بڑے پرکشش محسوس ہوتے ہیں، جسمانی اعتبار سے بڑے باوقار، زبان میں فصاحت اور حلاوت، انہیں بات کرنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے، لیکن اندر سے کھوکھلے ہیں، ڈرپوک اور بزدل اتنے ہیں کہ کہیں سے کوئی اونچی آواز کان میں پڑ جائے تو پریشان ہو جاتے ہیں کہ ہماری موت آگئی (۴) سامنے آتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تعریف کرتے نہیں تھکتے لیکن پیٹھ پیچھے ایسی بدبودار باتیں کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! (۷-۸) سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ کہیں وہ بھی منافقوں کی طرح مال واولاد میں مشغول ہوکر اللہ کے ذکر اور طاعت سے غافل نہ ہو جائیں اور انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ وہ موت کے آنے سے پہلے خرچ کرلیں ورنہ موت آجانے کے بعد سوائے حسرت کے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔

سورۃ التغابن

سورۂ تغابن مدنی ہے، اس میں ۱۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں، یہ سورت اگرچہ مدنی ہے لیکن اس پر مکی سورتوں کا رنگ غالب ہے، اس سورت کی ابتداء میں یہ بتانے کے بعد کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے، انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے اور کفرانِ نعمت کرنے والے (۱-۲) پھر ان کے سامنے گزشتہ اقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اس تکذیب کی پاداش میں انہیں عذابِ الٰہی کا مزہ چکھنا پڑا (۵-۶) یہ سورت ان مکذبین کا بھی تذکرہ کرتی ہے جو قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور پھر قسم کھا کر یقین دلاتی ہے کہ قیامت آکر رہے گی، خواہ کوئی اقرار کرے یا انکار کرے، موت کے بعد کی

زندگی کا معاملہ برحق اور یقینی ہے (۷) اس سورت میں قیامت کے دن کو ''یوم التغابن'' قرار دیا گیا ہے، یعنی نقصان اور خسارہ کا دن، قیامت کے دن کافر تو اپنے خسارہ کو محسوس کرے گا ہی، مسلمان اور عابد و زاہد انسان بھی حسرت کرے گا کہ اے کاش! میں نے جتنی عبادت وطاعت کی، اس سے زیادہ کی ہوتی (۹) یہ سورت اہلِ ایمان کو اموال، اولاد اور ازواج کے فتنہ سے ڈراتی ہے اور ان کے بارے میں محتاط ہو کر رہنے کی تلقین کرتی ہے، بسا اوقات انسان ان کی خاطر اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے، نہ حلال اور حرام کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ہی دینی حقوق وفرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے، ان کی محبت ہی کی وجہ سے ہجرت اور جہاد سے بھی محروم رہتا ہے۔ سورت کے اختتام پر اہلِ ایمان کو اللہ سے ڈرنے، اس کی راہ میں خرچ کرنے اور بخل سے بچ کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱۶-۱۷)

سورۃ الطلاق

سورۂ طلاق مدنی ہے، اس میں ۱۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں، مدنی سورتوں کے عمومی مزاج کی طرح اس سورت میں بھی بعض شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں خصوصاً وہ احکام جو ازدواجی اور خاندانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، طلاق کی اکثر اقسام اور ان پر مرتب ہونے والے عدت، نفقہ اور سکنٰی جیسے احکام اس سورت میں آ گئے ہیں۔ سورت کی ابتداء میں طلاق کا شرعی طریقہ بتایا گیا ہے، مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر ازدواجی زندگی کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے اور طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہے تو بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دے کر چھوڑ دیں، یہ طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہئے جس میں بیوی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، طلاق دینے کے بعد اسے عدت ختم ہونے تک چھوڑ دیں، اسے ''طلاق سنی'' کہا جاتا ہے، یہ قیود و شرائط اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اللہ کی نظر میں طلاق انتہائی قابلِ نفرت عمل ہے اور اگر بعض استثنائی صورتوں کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو شریعت میں طلاق کی اجازت بھی نہ دی جاتی کیونکہ طلاق کی وجہ سے خاندان کی بنیادوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں جبکہ اسلام خاندانی نظام کے استحکام پر زور دیتا ہے۔ اس کے بعد سورۂ طلاق وضاحت کے ساتھ مختلف قسم کی مطلقہ عورتوں کی عدت بتاتی ہے یعنی یائسہ...... ایسی بوڑھی عورت جسے حیض نہ آتا ہو، صغیرہ...... وہ بچی جس کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے ہی کر دیا گیا ہو اور حاملہ جسے حالتِ حمل میں طلاق ہو جائے۔ عدت کے علاوہ نفقہ اور سکنٰی کے احکام بھی یہاں ذکر کیے گئے ہیں۔ (۱-۷) ان شرعی احکام کو بیان کرتے ہوئے درمیان میں چار بار تقوٰی کا ذکر آیا ہے پہلے فرمایا ''اللہ سے ڈرو جو کہ تمہارا رب ہے'' دوسری بار فرمایا ''اور جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا'' تیسری بار فرمایا ''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا'' چوتھی بار فرمایا ''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے گناہ دور کر دے گا اور اسے اجرِ عظیم عطا کرے گا'' (۱-۲-۴-۵) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نظر میں تقوٰی کی کیا اہمیت ہے اور یہ کہ قرآن کا اسلوب دوسری کتابوں سے کس قدر مختلف ہے، یہ قانون کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں قانون پر آمادۂ عمل کرنے والی ترغیبات اور ترہیبات بھی

کثرت کے ساتھ ہیں۔سورت کے اختتام پر اللہ کی مقرر کردہ اور نازل کردہ احکام کی پامالی سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور عبرت کے لیے ان امتوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے سرکشی اختیار کی تو وہ عبرتناک عذاب اور سزاؤں کی مستحق ہوگئیں (۸-۱۰) آخری آیت میں ارض وسماء کی تخلیق میں قدرتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے۔(۱۲)

سورۃ التحریم

سورۂ تحریم مدنی ہے، اس میں ۱۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت میں جو احکام مذکور ہیں ان کا زیادہ تر تعلق (بیتِ نبوت) امہات المومنین اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ہے۔اس سورت کی پہلی آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس کا تعلق خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ ہے جب آپ نے اپنی لونڈی ماریہ قبطیہ یا شہد کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، چنانچہ بڑے محبت آمیز انداز میں عتاب ہوا اور فرمایا گیا ''اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے'' (۱) جب آپ نے تحریم کا یہ راز اپنی زوجہ مطہرہ (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کو بتا دیا تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ راز افشاء کر دیا، جس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا یہاں تک کہ آپ نے بعض ازواج کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا (لیکن اسے عملی جامہ پہنانے کی نوبت نہیں آئی) اللہ نے بھی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ''اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو تعجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے'' (۵) اس کے بعد یہ سورت ایمان والوں کو حکم دیتی ہے کہ ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتشِ جہنم سے بچاؤ'' اور یہ کہ ''اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو'' (۸) سورت کے اختتام پر دو مثالیں بیان کی گئی ہیں، پہلی مثال کافرہ بیوی کی ہے جو مومن صالح کے نکاح میں تھی اور دوسری مثال مومنہ بیوی کی ہے جو ایک بدترین کافر کے نکاح میں تھی، مومن صالح سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور کافر سے مراد فرعون ہے، ان دو مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انسان خود مومن اور صالح نہ ہو تو اسے کسی مومن کی قرابت اور حسب نسب کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔(۱۰-۱۱)

پارہ ۲۹ کے اہم مضامین

سورۃ الملک

سورۂ ملک مکی ہے، اس میں ۳۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کی فضیلت میں کئی احادیث وارد ہیں جن میں سے ایک حدیث وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابن ماجہ، نسائی، ابو داؤد اور ترمذی میں منقول ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''قرآن کریم میں تیس آیات ہیں جو اپنے پڑھنے والے کے لئے سفارش کرتی ہیں۔ چنانچہ اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔'' اسے ''مانعہ اور منجیہ'' بھی کہا گیا ہے یعنی عذاب قبر سے بچانے والی، اسی لئے اکثر مشائخ کا معمول رہا ہے کہ وہ اسے نمازِ عشاء کے بعد بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں۔

سورۂ ملک میں بنیادی طور پر تین مضامین بیان ہوئے ہیں:

1: ارض وسما پر حقیقی بادشاہت صرف اللہ کی ہے، اسی کے ہاتھ میں موت وحیات، عزت وذلت، فقر وغنیٰ اور منع وعطا کا نظام ہے، وہ علیم وخبیر ہے، ذرے ذرے کا اسے علم ہے، زمین میں چلنے پھرنے کے لئے اسی نے راستے بنائے ہیں، فضاؤں میں اڑتے ہوئے پرندوں کو وہی روکے ہوئے ہے، ہر کسی کو روزی وہی دیتا ہے۔ اس سورت کی مختلف آیات (۱۔۲۔۱۳۔۱۴۔۱۵۔۱۹۔۲۱) میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

2: رب العلمین کے وجود اور وحدانیت پر تکوینی دلائل ہیں۔ آسمان کی چھت، اس میں ستاروں کی قندیلیں، زمین کا فرش اور پانی کے بہتے ہوئے چشمے ایک حکیم وخبیر ذات کے وجود کی خبر دے رہے ہیں۔ (۳۔۵)

3: قیامت کو جھٹلانے والوں کا انجام، وہ دوزخ جو جوش مار رہی ہوگی، یوں لگے گا کہ غصے کے مارے پھٹ ہی جائے گی (۷۔۵) جب اس عذاب کو قریب دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ ''یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے۔'' (۲۷)

سورۃ القلم

سورۂ قلم مکی ہے، اس میں ۵۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں، چونکہ اس سورہ کی ابتدا میں اللہ نے قلم کی قسم کھائی ہے اس لئے اسے ''سورۂ قلم'' کہا جاتا ہے، یہ قسم کی عظمت اور اس کے عظیم نعمت ہونے کو ظاہر کرتی ہے، حدیث میں بھی قلم کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا فرمائی وہ قلم تھا۔ اسے پیدا کرنے کے بعد فرمایا ''لکھو! اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھو' چنانچہ اس دن سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ قلم نے لکھ دیا، پھر اللہ نے نون یعنی دوات کو پیدا فرمایا۔'' یہ قلم ہی ہے جس نے اسلاف کے علوم ہماری طرف منتقل کئے ہیں اور پوری دنیا میں معلومات کی اشاعت کا ذریعہ بنتا ہے، قرآن نے قلم اور تعلیم وتعلم کی اہمیت اس ماحول میں بیان کی جو ماحول قلم اور کتاب سے بیگانگی اور دوری کا ماحول تھا۔ سورۂ

قلم میں تین مضامین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

1: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور آپ کے اخلاق و مناقب کا بیان ہے، سب سے پہلے تو قسم کھا کر فرمایا کہ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں، جیسا کہ آپ کے مخالفین کہتے ہیں۔ ''اور آپ کے لئے بے انتہا اجر ہے اور آپ کے اخلاق عظیم ہیں۔'' (۳۔۴) مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کا خلق قرآن ہے۔ قرآن میں جو کچھ قال تھا وہ آپ کی زندگی میں حال تھا، آپ کی حیاۃ طیبہ قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ کو مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ آپ کے اخلاق و مناقب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے مخالفین کی اخلاقی پستی، کمینگی اور کج فکری بھی بیان کی گئی ہے، فرمایا گیا کہ آپ ''کسی ایسے شخص کا کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا، بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا، گناہ گار، گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب بھی ہو۔ اس کی سرکشی صرف اس لئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔'' (۱۰۔۱۴) مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیات سردارانِ قریش میں سے ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

2: دوسرا مضمون جسے اس سورت میں خصوصی اہمیت حاصل ہے وہ ''اصحاب الجنۃ'' (باغ والوں کا قصہ ہے) یہ قصہ عربوں میں مشہور تھا، یہ باغ یمن کے قریب ہی تھا، اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غرباء پر بھی خرچ کیا کرتا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس باغ کی وارث بنی تو انہوں نے اپنے اخراجات اور مجبوریوں کا بہانہ بنا کر مساکین کو محروم رکھنے اور ساری پیداوار سمیٹ کر گھر لے جانے کی منصوبہ بندی کی، اللہ نے اس باغ ہی کو تباہ کر دیا۔ (۱۷۔۳۳) اس قصہ میں ان لوگوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے جو اپنی ثروت اور غناء سے اکیلے ہی مستفید ہونا چاہتے ہیں اور ان کا بخل یہ برداشت نہیں کرتا کہ ان کے مال و متاع سے کسی اور کو بھی فائدہ پہنچے۔ کفار کے لئے عبرت آموز مثال بیان کرنے کے بعد یہ سورت متقین کا انجام بھی بتاتی ہے اور سوال کرتی ہے کہ محسن اور مجرم، فرمانبردار اور نافرمان، باغی اور وفادار دونوں برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟ (۳۴۔۴۱)

3: تیسرا اہم مضمون جو سورۂ قلم بیان کرتی ہے وہ آخرت کے بارے میں ہے، فرمایا گیا کہ: ''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے۔'' (۴۲) ''کشفِ ساق'' یعنی پنڈلی کھولے جانے سے علماء نے قیامت کے شدائد اور ہولناکیاں مراد لی ہیں۔ آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی ایذاؤں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۃ الحاقہ

سورۂ حاقہ مکی ہے، اس میں ۵۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک ''حاقہ'' بھی ہے۔ حاقہ کے معنی ہے ثابت ہونے والی، چونکہ قیامت کے دن اللہ کے وعدے اور وعیدیں ثابت ہوں گی، اس لئے

اسے حاقہ کہا جاتا ہے۔ اس سورت کا اصل موضوع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا بیان ہے۔ سورت کی ابتدا میں قیامت کی ہولناکیوں اور قومِ ثمود، قومِ عاد، قومِ لوط جیسی قوموں کے انجام بد کا بیان ہے۔ (۱۔۱۲) اس کے بعد یہ سورت ان واقعات کا تذکرہ کرتی ہے جو قیامت سے پہلے رونما ہوں گے یعنی صور پھونکا جائے گا، زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں، آسمان پھٹ جائے گا، فرشتے نازل ہوں گے اور انسانوں کا احاطہ کئے ہوئے ہوں گے۔ (۱۳۔۱۷) پھر جب قیامت قائم ہوجائے گی تو انسانوں کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا، ان میں سے جو نیک ہوں گے ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جسے وہ خوشی کے مارے دوسروں کو دکھائیں گے اور جو گنہ گار ہوں گے ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ بڑی حسرت سے کہیں گے: ''کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے؟ کاش! موت میرا کام ہی تمام کردیتی، میرے مال نے بھی مجھے کچھ کام نہ دیا، میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا''۔ (۲۵۔۲۹) پھر انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اشقیاء کی دو بڑی علامتیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور دوسری یہ کہ وہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ (۳۲۔۳۴) سعداء اور اشقیاء کا انجام بتانے کے بعد رب العزت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی صداقت پر قسم کھاتے ہیں۔ فرمایا: ''پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے، بیشک یہ قرآن بزرگ رسول کا لایا ہوا ہے، یہ کسی شاعر کا قول نہیں لیکن تم بہت کم یقین رکھتے ہو، نہ کسی کاہن کا قول ہے لیکن تم بہت کم نصیحت کرتے ہو، یہ تو رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ (۳۸۔۴۳)

سورۃ المعارج

سورۂ معارج مکی ہے، اس میں ۴۴ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں بتایا کہ کفارمکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جو عذاب آنے والا ہے وہ جلدی لے آئیں تاکہ آخرت سے پہلے ہم دنیا ہی میں اس سے نمٹ لیں۔ (۱۔۳) اس کے بعد یہ سورت قیامت کی منظر کشی کرتی ہے اور وہاں مجرموں کا جو حال ہوگا اسے بیان کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوجائے گا اور پہاڑ رنگین روئی کی طرح ہوجائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو اور کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کو نہیں پوچھے گا بلکہ سب ایک دوسرے سے جان چھڑا کر بھاگیں گے۔ (۸۔۱۴) یہ سورت انسان کی فطرت اور طبیعت بتاتی ہے کہ یہ بڑا حریص اور جزع وفزع کرنے والا ہے، تکلیف پہنچے تو چیختا چلاتا ہے اور نعمت حاصل ہو تو اکڑنے لگتا ہے، مال ہاتھ آجائے تو بخل کرنے لگتا ہے البتہ مصلین (نمازی) اس سے مستثنیٰ ہیں، مصلین کی اللہ نے آٹھ صفات بیان کی ہیں۔ 1: وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ 2: ان کے مال میں سوال کرنے والوں اور سوال سے بچنے والوں سب کا حق ہوتا ہے، گویا کہ وہ نماز کے ذریعے حق اللہ اور زکوٰۃ کے ذریعے حق العباد ادا کرتے ہیں۔ 3: وہ حساب وجزا کے دن کی تصدیق کرتے ہیں، ایسی تصدیق جس میں شک کی کوئی ملاوٹ نہیں

ہوتی۔ 4: وہ عبادت وطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ 5: وہ زنا وجنسی غلاظت سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتے ہیں صرف حلال پر اکتفا کرتے ہیں اور حرام کی طرف نظر نہیں اٹھاتے۔ 6: وہ امانتیں ادا کرتے ہیں اور عہد پورا کرتے ہیں، نہ عہد میں خیانت کرتے ہیں اور نہ وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ 7: وہ حق وعدل کے ساتھ گواہی ادا کرتے ہیں۔ 8: آٹھویں صفت یہ کہ وہ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرتے ہیں اور اس کے آداب و واجبات کا التزام کرتے ہیں۔ (۲۲۔۳۴) جن لوگوں کے اندر یہ صفات پائی جاتی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔'' (۳۵) سورت کے اختتام پر اللہ اس بات پر قسم اٹھاتے ہیں کہ بعث ونشور حق ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ اس بات پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کردے اور ان سے بہتر اور اللہ کی زیادہ عبادت کرنے والوں کو پیدا فرمادے''۔ (۴۰۔۴۱)

سورۂ نوح

سورۂ نوح مکی ہے، اس میں ۲۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت میں صرف حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، انہیں شیخ الانبیاء بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی عمر تمام انبیاء سے زیادہ طویل تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا والوں کی طرف وہ سب سے پہلے رسول تھے، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور اس دعوت کے سلسلے میں مبالغہ کی حد تک کوشش کی، رات کو بھی دعوت دی اور دن کو بھی، خفیہ خفیہ بھی سمجھایا اور اعلانیہ بھی لیکن وہ جتنی زیادہ دعوت دیتے قوم اتنی ہی ان سے زیادہ دور بھاگتی۔ (۱۔۶) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کی تلقین کی اور فرمایا کہ اگر تم استغفار کرو گے اور گناہوں سے باز آ جاؤ گے تو اللہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد عطا کرے گا، تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کردے گا پھر انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں، اسی نے سات آسمان پیدا کیے ہیں، چاند کو جگمگاتا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے لیکن اس فہمائش اور تذکیر و دعوت کا قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے بتوں وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو آپ نے ان کے لئے اللہ سے ہلاکت کی دعا کی جس میں یہ عرض کیا کہ اے میرے رب! تو زمین پر کسی کافر کو بھی نہ چھوڑنا، آپ کی دعا قبول ہوئی اور ان کفار وفجار کو طوفان میں ہلاک کردیا گیا۔

سورۃ الجن

سورۂ جن مکی ہے، اس میں ۲۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت میں جنات کے حوالے سے گفتگو ہے جو کہ انسانوں کی طرح شرعی احکام کے مکلّف ہیں، ان میں مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی، نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ اس سورت کی ابتدا میں بتایا گیا کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا اور وہ اس سے بڑے متاثر ہوئے، یہ اس وقت کی بات ہے جب جنات نے نظامِ کائنات میں کچھ تبدیلیاں محسوس کیں، وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف

تشریف لے گئے، آپ نخلہ کے مقام پر نمازِ فجر ادا فرما رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت یہاں آ پہنچی، جب انہوں نے قرآن سنا تو انہوں نے تبدیلیوں کا راز جان لیا اور ان کے دل دہل گئے اور انہوں نے قرآن کی صداقت کے آگے سر جھکا دیا، نہ صرف یہ کہ خود ایمان قبول کیا بلکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بھی ایمان کی دعوت دی اور قوم کے سامنے رب کی شان اور عظمت بیان کی اور ان لوگوں کو احمق قرار دیا جو اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم سب ایک عقیدے پر نہیں ہیں، کوئی مؤمن ہے کوئی کافر، کوئی مطیع ہے اور کوئی عاصی، کوئی عقلمند ہے اور کوئی بے وقوف، کوئی جہنم میں جائے گا اور کوئی جنت میں۔ جنات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا ذکر کرتی ہے کہ آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق انسانوں کو ایمان اور توحید کی دعوت دی اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میں صرف اللہ کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، میرے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ نقصان، میرا کام تو صرف اللہ کے پیغام کو تم تک پہنچا دینا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیا۔

سورۃ المزمل

سورۂ مزمل مکی ہے، اس میں ۲۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے، آپ کا تبتل (خالص اللہ کی طرف متوجہ ہوجانے) آپ کی عبادت، اطاعت، آپ کا قیام وتلاوت، آپ کا جہاد ومجاہدہ، خود اس سورت کا نام اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا بیان ہے۔ مزمل کا معنی ہے ''کپڑے میں لپٹنے والے'' جب ان آیات کا نزول ہوا تو آپ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ نے محبت اور پیار کے انداز میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے کپڑے میں لپٹنے والے'' آپ دن کو دین کی دعوت دیتے تھے، رات کو نماز میں طویل قیام فرماتے تھے اور اس میں قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، بعض اوقات پوری رات کھڑے رہتے جس سے قدم مبارک میں ورم آجاتا۔ اللہ نے آپ کو اختیار دیا کہ آپ چاہیں تو آدھی رات قیام کریں یا آدھی سے کم یا کچھ زیادہ۔ راتوں کا یہ قیام روحانی تربیت میں بڑا موثر ثابت ہوتا ہے، اس لئے قیامِ لیل کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا: ''یقیناً ہم تجھ پر عنقریب بہت بھاری بات نازل کریں گے''۔ بھاری بات سے مراد قرآن عظیم ہے، جس کی ایک خاص ہیبت اور جلال ہے، اس کا تحمل وہی کرسکتا ہے جس کا نفس علم وعرفان کے نور سے روشن ہوچکا ہو اور باطن کی روشنی میں قیامِ لیل کو خاص دخل حاصل ہے۔ اگلی آیات میں رسول کریم علیہ السلام کو ان ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو دین کی دعوت کے سلسلے میں مشرکین کی طرف سے آپ کو دی جاتی تھیں۔ آپ کو ستانے میں ان کے ہاتھ بھی استعمال ہوتے تھے اور زبانیں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ (۱۰۔۱۳) اس کے بعد یہ سورت آپ کے مکذبین کو ڈرانے کے لئے فرعون کا قصہ ذکر کرتی ہے، جسے اللہ نے اس کے کفر وسرکشی کی وجہ سے سخت وبال میں پکڑا۔ سورت کے اختتام پر اللہ نے اپنے رسول اور مؤمنین پر تخفیف کا اعلان فرمایا ہے، ایک تخفیف اس اعتبار سے ہے کہ نصف رات یا ثلث یا دو ثلث کا قیام

ضروری نہیں بلکہ جتنا بھی آسانی سے ممکن ہو قیامِ لیل کرلیا جائے، دوسرے تخفیف اس اعتبار سے ہے کہ اب مؤمنین پر تہجد فرض نہیں رہی، اس کے حکم کو استحباب میں تبدیل کر دیا گیا۔

سورۃ المدثر

سورۂ مدثر مکی ہے، اس میں ۵۶ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف دعوت، کفار کو ڈرانے اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱۔۷) اس کے بعد یہ سورت مجرموں اور مخالفوں کو اس دن کے عذاب سے ڈراتی ہے جو ان کے لئے بڑا سخت ثابت ہوگا۔ (۸۔۱۰) اگلی آیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بدترین دشمن کا تذکرہ ہے جسے ولید بن مغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ شخص قرآن سنتا تھا اور پہچانتا بھی تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن بڑا ہونے کے گھمنڈ میں کفر و انکار کرتا تھا اور قرآن کو معاذ اللہ سحر اور جادو قرار دیتا تھا۔ (۱۱۔۲۶) پھر یہ سورت اس جہنم کا اور اس کے داروغوں کا ذکر کرتی ہے جن کا سامنا کفار و فجار کو کرنا پڑے گا اور ان کے دلوں میں ان کے لئے کوئی نرمی نہیں ہوگی۔ (۲۷۔۳۱) مزید تاکید اور ڈراوے کے لئے اللہ نے چاند، رات اور صبح کی قسم کھا کر فرمایا کہ جہنم بڑی مصیبتوں میں سے ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ (۳۲۔۳۷) یہ سورت ہر شخص کی مسؤلیت اور ذمہ داری کو واضح کرتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور وہ اپنے گناہوں کے اسیر ہوں گے سوائے ان کے کہ جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اسیر نہیں ہوں گے، وہ قیامت کے دن مجرموں سے سوال کریں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا تو وہ جواب میں چار اسباب بیان کریں گے: پہلا یہ کہ ہم نمازی نہیں تھے، دوسرا یہ کہ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، تیسرا یہ کہ ہم کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں خوب حصہ لیتے تھے اور چوتھا یہ کہ ہم قیامت کا انکار کرتے تھے۔ (۳۸۔۴۸) سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرسکتا ہے لیکن اس کے لئے اللہ کی مشیت بھی ضروری ہے۔ (۵۴۔۵۶)

سورۃ القیامہ

سورۂ قیامہ مکی ہے، اس میں چالیس آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس سورت کا موضوع بعث یعنی مرنے کے بعد کی زندگی ہے جو کہ ایمان کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، یہ سورت قیامت کے مصائب، شدائد اور عذابوں کا ذکر کرتی ہے اور موت کے وقت انسان کی جو حالت ہوتی ہے اس کا نقشہ کھینچتی ہے۔ اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے حشر نشر کے قیام پر یوم القیامہ اور نفسِ لوامہ کی قسم کھائی ہے (نفس لوامہ وہ ہے جو انسان کو گناہوں پر ملامت کرتا ہے اور نیکی پر آمادہ کرتا ہے) آخرت میں تو ہر شخص کا نفس اسے ملامت کرے گا ہی دنیا میں بھی جن لوگوں کا ضمیر بیدار ہوتا ہے وہ انہیں ملامت کرتا رہتا ہے۔ ایک قابلِ ذکر نکتہ یہ ہے کہ یہاں پر اللہ نے خاص طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ ہم انسان کی پور پور تک درست کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، ہر انسان کی انگلی کی پور قدرت کی تخلیق کا شاہکار ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں جو خطوط اور لکیریں ہیں وہ دوسرے انسان کے ساتھ مشابہت

نہیں رکھتیں ۔اسی وجہ سے پوری دنیا میں کسی انسان کی شخصیت کو پہچاننے کے لئے انگلیوں کی لکیروں پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان پوروں کو اس ہیئت اور شکل پر بنادیں گے جس شکل وہیئت پر یہ تھیں اور اس نکتے کی وضاحت کے لئے اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم پیدا کردیں گے بلکہ یہ فرمایا ہم درست کردیں گے ۔اس کے بعد یہ سورت قیامت کی بعض ہولناکیوں اورعلامتوں کا تذکرہ کرتی ہے: ''پس جس وقت نگاہ پتھرا جائے گی اور چاند بے نور ہوجائے گا، سورج اور چاند جمع کردیئے جائیں گے، اس دن انسان کہے گا آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟'' (۱۰) اگلی آیات میں یہ سورت بتلاتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حفظِ قرآن کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اور جبرائیل کی تلاوت کے وقت اس بات کی شدید کوشش کرتے تھے کہ آپ سے کوئی چیز فوت نہ ہوجائے، اس لئے آپ حضرت جبرائیل کی اتباع میں جلدی جلدی پڑھنے اور یاد کرنے کی سعی فرماتے تھے ۔اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں، میرا یہ وعدہ ہے کہ قرآن میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی اسے جمع کرنے، محفوظ کرنے، باقی رکھنے اور بیان کرنے کا میں خود ذمہ دار ہوں ۔(۱۹۔۱۶) یہ سورت بتلاتی ہے کہ آخرت میں انسان دو فریقوں میں تقسیم ہوجائیں گے ۔ایک طرف سعداء ہوں گے اور دوسری طرف اشقیاء، سعداء کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ رب تعالٰی کی زیارت سے مشرف ہوں گے، اشقیاء کے چہرے سیاہ اور بدرونق ہوں گے اور وہ جان لیں گے کہ آج ہمیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۲۵۔۲۰) یہ سورت موت کے وقت انسان کا جو حال ہوتا ہے اور کافر کو جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے بھی بیان کرتی ہے ۔(۳۰۔۲۶) سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ انسان کو ہم نے بیکار پیدا نہیں کیا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ نہ اس کا حساب ہو، نہ اسے جزا سزا دی جائے ۔اس طرح آخر میں حشر ومعاد کی ایک حسّی دلیل بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ جس اللہ نے انسان کو پہلی بار پیدا کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ۔

سورۃ الانسان

سورۂ انسان مدنی ہے، اس میں ۳۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں، مدنی ہونے کے باوجود اس سورت کے مضامین مکی سورتوں جیسے ہیں، اس میں جنت اور جنت کی نعمتوں، جہنم اور جہنم کے عذابوں کا بیان ہے ۔صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر میں اس سورت کی تلاوت کیا کرتے تھے ۔اس سورت کی ابتدا میں اللہ کی قدرتِ عظیمہ کا بیان ہے کہ اس نے کیسے انسان کو مختلف ادوار میں پیدا فرمایا اور اس کو سمع وبصر اور عقل وفہم سے نوازا تاکہ وہ طاعت وعبادت کی ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کرسکے جن کا اسے مکلّف بنایا گیا ہے اور زمین کو ایک اللہ کی بندگی سے آباد کرسکے لیکن پھر انسان دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے بعض شاکر ہیں اور بعض کفور (ناشکرے) ہیں ۔کافروں کے لئے اللہ نے آخرت میں زنجیریں، طوق اور شعلوں والی آگ بنا رکھی ہے اور شکر گزاروں کے لئے وہ جام جن میں کافور کی آمیزش ہوگی، شکر گزاروں کی یہاں تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ جب کوئی نذر مان لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، دوسری یہ کہ وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں، تیسری

یہ کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لئے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ان کے نیک اعمال اور صبر کا نتیجہ انہیں جنت کی صورت میں دیا جائے گا جہاں نہ گرمی ہوگی نہ سردی اور نہ کوئی دکھ اور غم۔ (۱۳۔۱) سورت کے اختتام پر اللہ نے اپنی اس عظیم نعمت کا ذکر فرمایا جس کا کوئی بدل اور کوئی مثال نہیں۔ فرمایا: ''(اے محمد!) بیشک ہم نے آپ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے، پس اپنے رب کے حکم پر قائم رہیں، ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا کہا نہ مانئے اور اپنے رب کے نام صبح وشام ذکر کیا کریں اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کریں اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کریں۔'' (۲۶-۲۳) ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ داعی پر ذکر وعبادت اور صبر لازم ہے تاکہ اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں اسے تقویتِ قلبی حاصل ہو، خصوصاً رات کی نماز ایمان کی مضبوطی کا اہم وسیلہ ہے۔ اس سورت کی آخری آیات میں مشرکین کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ ہم اگر چاہیں تو ان کو ختم کر کے ان کے عوض ان جیسے اور بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

سورۃ المرسلات

سورۂ مرسلات مکی ہے، اس میں ۵۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں پانچ قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ ''جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یقیناً ہونے والی ہے۔'' یعنی قیامت اور حساب وجزا کا معاملہ ہو کر رہے گا اس میں تخلف نہیں ہوسکتا، اس کے بعد یہ سورت ان نشانیوں کو بیان کرتی ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوں گی یعنی ستارے بے نور کر دئے جائیں گے، آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا، پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیئے جائیں گے اور رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا۔ (۱۱۔۸) قیامت کے دن کو اللہ نے ''یوم الفصل'' کہا کیونکہ اس دن مخلوق کے درمیان عدل وانصاف پر مبنی فیصلہ کیا جائے گا، قیامت کو یوم الفصل قرار دینے کے بعد اسے جھٹلانے کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں: یومئذ للمکذبین (اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے) یہ آیت اور یہ الفاظ اس سورت میں دس بار آئے ہیں، اس تکرار کا مقصد تخویف اور ترہیب ہے۔ علاوہ ازیں یہ سورت مجرمین سابقین کا ذکر کرتی ہے جنہیں اللہ نے تباہ وبرباد کر دیا اور مخاطبین سے سوال کرتی ہے کہ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ پھر مختلف مراحل سے گزار کر خوبصورت انسان بنا دیا، بعث بعد الموت کے بعض حسی دلائل بھی یہاں مذکور ہیں جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ اللہ جو زمین کو مردوں اور زندوں کو سمیٹنے والی بنا سکتا ہے اور میٹھے پانی سے سیراب کر سکتا ہے وہ دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اگلی آیات میں مکذبین اور متقین کے الگ الگ انجام کا بیان ہے۔ مکذبین کو بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جایا جائے گا اور متقین کو ٹھنڈے سائے اور بہتے چشموں کے پاس جگہ دی جائے گی۔ آخری آیات میں دوبارہ مجرموں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کھا پی لو! اور تھوڑے سے مزے اڑا لو! بالآخر تمہارے لئے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

پارہ ۳۰ کے اہم مضامین

سورۃ النبا

سورہ نبا مکی ہے، اس میں ۴۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کا موضوع ''بعث بعد الموت'' ہے، سوت کی ابتداء میں مشرکین کا وہ سوال مذکور ہے جو وہ انکار اور استہزاء کے طور پر قیامت کے بارے میں کرتے تھے، فرمایا ''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اس بڑی خبر کے متعلق جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔'' (۱-۳) کوئی اس کا اقرار کرتا ہے اور کوئی انکار، کوئی تذبذب کا شکار ہے اور کوئی اس کا اثبات کرتا ہے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ''نبأ العظیم'' (بڑی خبر) سے مراد قرآن عظیم لیا ہے، اس میں شک ہی کیا ہے کہ واقعی سب سے بڑی خبر اور سب سے بڑا کلام، قرآن ہی ہے لیکن سورت کے عمومی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ ''نبا عظیم'' سے مراد قیامت ہی ہے، اگلی آیات میں قدرتِ الٰہیہ کے دلائل اور قیامت کے مختلف مناظر اور جنت اور جہنم کا تذکرہ ہے، بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ جو زمین کو بچھونا، پہاڑوں کو میخیں، انسانوں کو جوڑا جوڑا، نیند کو ذریعۂ سکون، رات کو لباس دن کو وقتِ معاش اور آسمان پر ساری دنیا کو روشنی کرنے والا چراغ بنا سکتا ہے (۶-۱۶) وہ دوبارہ زندگی بھی عطا کرسکتا ہے اور ایسی عدالت بھی قائم کرسکتا ہے جس میں اولین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا اور ان کے درمیان عدل کیا جائے گا (۱۷) عدل اور حساب کے بعد کسی کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور کسی کا جہنم (۲۱-۳۷) سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں، باوجود اللہ کے بے حد مہربان اور رحمٰن ہونے کے کسی کو اللہ کے سامنے تابِ گویائی نہ ہوگی، اس دن ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے سامنے کر دیا جائے گا اور اس کے بارے میں قطعی فیصلہ سنا دیا جائے گا، اس فیصلہ کو سن کر کافر یہ تمنا کرے گا اے کاش! میں مٹی ہوتا (۳۹-۴۰) مٹی ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، دوسرا یہ کہ میں تکبر نہ کرتا اور مٹی کی طرح مسکین اور عاجزی اختیار کرتا، تیسرا مطلب یہ کہ میں انسان نہیں، حیوان ہوتا اور مجھے بھی حیوانوں کی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے بعد مٹی بنا دیا جاتا، یوں میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاتا۔

سورۃ النازعات

سورۂ نازعات مکی ہے، اس میں ۴۶ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت میں بھی قیامت کے مختلف احوال اور اہوال (ہولناکیوں) کا بیان ہے، ابتداء میں اللہ نے مختلف کاموں پر مامور پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم کھائی ہے لیکن جوابِ قسم ذکر نہیں فرمایا، سیاق کلام کو دیکھ کر جو جوابِ قسم سمجھ میں آتا ہے، وہ ہے ''لتبعثن'' (تمہیں قیامت کے دن ضرور زندہ کیا جائے گا)

سورۂ نازعات بتاتی ہے کہ قیامت کو جھٹلانے والوں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا کہ ان کے دل دھڑک رہے ہوں گے، دہشت، ذلت اور ندامت کی وجہ سے ان کی نظریں جھکی ہوں گی، (۸-۹) لیکن آج دنیا میں وہ فرعون بنے

بیٹھے ہیں اور اللہ کے نبی کی بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے لیکن شاید انہیں فرعون کا انجام معلوم نہیں (۱۵-۲۶) یہ عقل سے کورے اور احمق یہ نہیں سوچتے کہ جو اللہ مضبوط آسمان بنا سکتا ہے، شب و روز کا نظام مقرر کر سکتا ہے، زمین کا فرش بچھا سکتا ہے، پہاڑوں کی میخیں گاڑ سکتا ہے کیا وہ انہیں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا، (۲۷-۳۳) سورت کے اختتام پر مشرکین کا سوال مذکور ہے جو وہ وقوع قیامت کو محال سمجھ کر قیامت کے بارے میں کرتے تھے لیکن ''جس روز یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی وہ دنیا میں رہے۔ (۴۶)

سورۂ عبس

سورۂ عبس مکی ہے، اس میں ۴۲ آیات ہیں، یہاں سے آخر تک ہر سورت ایک رکوع پر ہی مشتمل ہے اس لئے رکوعات کی تعداد بار بار بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے جو طلبِ علم کے لئے ایسے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے جب کہ آپ چند سردارانِ قریش کو دعوتِ اسلام دینے میں مصروف تھے، ایسی اہم مصروفیت کے وقت ان کے آنے سے آپ کو طبعی طور پر ناگواری ہوئی اور آپ نے ان کی بات کا جواب دینے سے اعراض کیا، اس پر سورۂ عبس کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ نے آپ کو تنبیہ فرمائی، اس کے بعد جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے یہ ہیں وہ جن کی وجہ سے اللہ نے مجھے تنبیہ فرمائی تھی اور ان سے دریافت فرماتے کہ ''کوئی کام ہے تو بتاؤ'' آپ نے نابینا ہونے کے باوجود دو غزوات کے موقع پر انہیں مدینہ پر والی مقرر فرمایا، یہ واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی گئی ہے، ان کا قرآن کریم میں مذکور ہونا اس کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے، اگر معاذ اللہ، قرآن آپ کا خود تراشیدہ کلام ہوتا تو آپ ایسی آیات اس میں ہرگز ذکر نہ فرماتے جن میں خود آپ سے باز پرس کی گئی ہے، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد یہ سورت انسان کے ناشکرا ہونے کو بتاتی ہے جو اپنی اصل کو بھول کر اللہ کے سامنے سرکشی اختیار کرتا ہے (۱۷-۲۰) اگلی آیات میں رب تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے تکوینی دلائل ہیں (۲۴-۳۲) اور اختتام پر قیامت کا وہ ہولناک منظر بیان کیا گیا ہے جب انسان خوفزدہ ہو کر قریب ترین رشتوں کو بھی بھول جائے گا، نفسانفسی کا عالم ہوگا، کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوگی، ہر کسی کو اپنی ذات کا غم کھائے جا رہا ہوگا، بہت سے چہروں پر کامیابی کی چمک ہوگی اور بے شمار چہروں پر ناکامی کی ذلت اور تاریکی چھائی ہوگی (۳۳-۴۲)

سورة التكوير

سورۂ تکویر مکی ہے، اس میں ۲۹ آیات ہیں، اس سورت کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں جو کہ ۱۴ آیات پر مشتمل ہے اس ہولناک کائناتی انقلاب کا ذکر ہے جس کے اثرات سے کائنات کی کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہے گی، سب کچھ

بدل جائے گا، یہ سورج اور ستارے، پہاڑ اور سمندر ریت کے گھروندے ثابت ہوں گے اس دن ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور اپنے دامن میں کیا لے کر آیا ہے گناہ یا نیکیاں یا گناہ ہی گناہ، اللہ کی پناہ!۔

دوسرے حصے میں جو کہ ۱۵ آیات پر مشتمل ہے، باری تعالیٰ نے تین قسمیں کھا کر قرآن کی حقانیت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وصداقت کو بیان فرمایا ہے اور ان دیوانوں کو بڑی محبت سے سمجھایا ہے جو اللہ کے نبی کو معاذ اللہ ''دیوانہ'' قرار دیتے تھے، فرمایا گیا ''تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے'' وہ تو بندوں تک اللہ کا کلام پہنچانے والا سچا نبی ہے۔ سورۂ اعراف (۱۸۴) اور سورۂ سبا (۴۶) میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تم غور وفکر کرو گے تو تمہارے ضمیر کا یہی فیصلہ ہوگا کہ تمہارے سامنے شب وروز گزارنے والا یہ عظیم انسان دیوانہ نہیں یہ تو دیوانوں کو فرزانگی سکھانے کے لئے آیا ہے اور قرآن کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ شیطان مردود کا کلام نہیں ہے یہ تو اہلِ جہان کے لئے نصیحت ہے مگر اس کے لئے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک کہ رب العلمین نہ چاہے''۔

سورۃ الانفطار

سورۂ انفطار مکی ہے، اس میں ۱۹ آیات ہیں، اس سورت میں پہلے تو ان تبدیلیوں کا ذکر ہے جو وقوعِ قیامت کے وقت نظامِ کائنات میں رونما ہوں گی (۱-۵) پھر محبت آمیز انداز میں انسان سے شکوہ کیا گیا ہے کہ اے انسان تجھے آخر کس چیز نے اپنے پروردگار کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ اس کے احسانات کو بھلا کر تو معصیت اور ناشکراپن پر اتر آیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ تمہیں جزاء کے دن کا یقین نہیں ہے، حالانکہ وہ تو آ کر رہے گا اور کراماً کاتبین تمہاری زندگی کا کچا چٹھا تمہارے سامنے پیش کر دیں گے پھر تمہیں ابرار اور فجار دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا، ابرار نعمتوں کی جگہ یعنی جنت میں جائیں گے اور فجار عذاب کی جگہ یعنی دوزخ میں ہوں گے۔ (۶-۱۶)

سورۃ المطففین

سورۂ مطففین مکی ہے، اس میں ۳۶ آیات ہیں، اس سورت میں بھی بنیادی عقائد سے بحث کی گئی ہے، یوم القیامۃ کے احوال اور اھوال اس میں خاص طور پر مذکور ہیں لیکن اس کی ابتدائی آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ''تطفیف'' جیسی اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہیں (۱-۶) ''تطفیف'' کا معنی ہے ناپ تول میں کم کرنا، ارشاد ہوتا ہے ''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں'' بعض حضرات نے تطفیف کا دائرہ وسیع کر دیا ہے، امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تطفیف وزن اور کیل میں بھی ہوتی ہے عیب کے ظاہر کرنے اور چھپانے میں بھی، انصاف کے لئے دینے میں بھی، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، یونہی جو شخص لوگوں کے عیب دیکھتا ہے مگر اپنے عیب نہیں دیکھتا، اسی طرح جو لوگوں سے اپنے حقوق مانگتا ہے لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کرتا تو یہ سب لوگ اس وعید کے مستحق ہیں جو وعید یہاں ''مطففین'' کے لئے بیان ہوئی ہے ایک بدو نے

عبدالملک بن مروان سے کہا کہ قرآن کریم میں ''مطففین'' کے لئے بڑی سخت وعید ہے تو تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے کہ تم لوگوں کے اموال بلا ناپ تول کے ہتھیا لیتے ہو ''مطففین'' کی مذمت کے بعد ان سیاہ دلوں اور بدکاروں کا انجام بتایا ہے جو اللہ کے نور کو بجھانے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں (۷-۱۷) پھر ان کے مقابلے میں ان صلحاء اور ابرار کا تذکرہ ہے جنہیں آخرت میں دائمی نعمتیں میسر آئیں گی (۲۲-۲۸) سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ یہ سیاہ دل، دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن قیامت کے دن معاملہ الٹ ہوجائے گا اور نیک لوگ ان بدکاروں کا مذاق اڑائیں گے۔(۲۹-۳۶)

سورۃ الانشقاق

سورۂ انشقاق مکی ہے، اس میں ۲۵ آیات ہیں، یہ جو سورتیں ہیں یعنی مطففین، انفطار، انشقاق اور تکویر ان چاروں سورتوں میں قیامت کے احوال مختلف انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔سورۂ انشقاق کی ابتدائی آیات میں ان کائناتی تبدیلیوں کا ذکر ہے جو قیامِ قیامت کے وقت رونما ہوں گی (۱-۵) پھر جب قیامت قائم ہوجائے گی تو حساب کے مرحلہ سے گزر کر انسان دو فریقوں میں تقسیم ہوجائیں گے، بعض وہ ہوں گے جن کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور بعض کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔(۶-۱۵)
اگلی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا ''یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے'' یعنی قیامت کے دن تمہیں مختلف مصائب اور مراحل کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہر اگلا مرحلہ پہلے مرحلہ سے شدید تر ہوگا (۱۶-۱۹) البتہ وہ لوگ ان مصائب اور مختلف عذابوں سے محفوظ رہیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے۔(۲۵)

سورۃ البروج

سورۂ بروج مکی ہے، اس میں ۲۲ آیات ہیں، اس سورت کی ابتداء میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا کہ ''خندقوں والے ہلاک کئے گئے'' صحیح مسلم میں ''خندقوں والے'' قصہ کی نسبت حمیر کے بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ ذونواس یہودی کی طرف نسبت کی گئی ہے جو مشرک تھا اور اس نے ایسے بیس ہزار افراد کو خندقوں میں ڈال کر زندہ جلا دیا تھا جو عیسائی بن گئے تھے اور انہوں نے خدا پرستی چھوڑ کر بت پرستی کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ میں ساحر، راہب اور غلام کا قصہ بھی منقول ہے، جب ایک نوجوان لڑکے کی استقامت دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان قبول کرلیا اور بادشاہِ وقت کی دھمکیوں کے باوجود وہ ایمان سے باز نہ آئے تو ان سب کو خندقوں میں دہکتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا گیا۔(۱-۹)
ایسے لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے کہ ''جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔(۱۰)
سورت کے اختتام پر اللہ کی عظمت اور انتقام کی قدرت کا بیان ہے، اس کی پکڑ بڑی سخت ہے وہ جب کسی کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے تو اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔فرعون کا انجام اس دعویٰ کی دلیل اور اس پر گواہ ہے۔

سورۃ الطارق

سورۂ طارق مکی ہے، اس میں ۱۷ آیات ہیں، اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ نے آسمان کی اور رات کو چمکنے والے ستارے کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہر انسان پر اللہ کی طرف سے نگہبان فرشتہ مقرر ہے (۱-۴) پھر انسان کی پہلی تخلیق سے اس کی دوسری زندگی پر استدلال کیا گیا ہے (۵-۸) اگلی آیات میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب انسان عدالتِ الٰہیہ کے روبرو کھڑا ہوگا تو اس کے پوشیدہ راز ظاہر کردئے جائیں گے (۹-۱۰) سورت کے اختتام پر قرآن کی صداقت اور اس کے قولِ فیصل ہونے پر قسم کھائی گئی ہے اور کفار کو وعید سنائی گئی ہے۔ (۱۱-۱۷)

سورۃ الاعلی

سورۂ اعلی مکی ہے، اس میں ۱۹ آیات ہیں، اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں۔ 1: ابتدائی آیات میں اللہ کی ذات وصفات کے اعتبار سے اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرنے کا حکم دیا گیا، اس نے انسان کو پیدا کیا، اسے پرکشش صورت سے نوازا اور سعادت وایمان کا راستہ دکھایا (۱-۳)

2: یہ سورت قرآن کریم کا ذکر کرتی ہے اور اس کے حفظ کے آسان ہونے کی بشارت سناتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کو حکم دیتی ہے کہ آپ نفوس کی اصلاح اور اخلاق درستگی کے لئے قرآن کے ذریعے نصیحت کیجئے، جن کے دل میں خوفِ خدا ہوگا وہ ضرور نصیحت قبول کرلیں گے۔ (۶-۱۰)

3: سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو گناہوں کی آلائش سے پاک کرلے گا، اسے اچھے جذبات وخیالات سے سنوار لے گا، اپنے دل میں اللہ کی عظمت اور جلال پیدا کرلے گا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دے گا وہ کامیاب ہوگا، یہ وہ اصول ہے جو تمام صحیفوں اور شریعتوں میں بیان ہوچکا ہے۔ (۱۴-۱۹)

سورۃ الغاشیہ

سورۂ غاشیہ مکی ہے، اس میں ۲۶ آیات ہیں، قیامت کے ناموں میں سے ایک نام غاشیہ بھی ہے یعنی چھپا لینے والی، قیامت کو ''غاشیہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی ہولناکیاں ساری مخلوق کو ڈھانپ لیں گی، یہ سورت بتاتی ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے ذلیل ہوں گے، انہوں نے بڑی محنت کی ہوگی جس کی وجہ سے تھکے تھکے محسوس ہوں گے، علماء کہتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں بڑی عبادت وریاضت کی ہوگی لیکن چونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں تھے اس لئے یہ عبادت ان کے کسی کام نہیں آئے گی، یہ چہرے دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنیں گے اور بعض چہرے تروتازہ اور پررونق ہوں گے، یہ وہ چہرے ہوں گے جنہوں نے دنیا میں صحیح رخ پر محنت کی ہوگی اور ان کے عقائد میں بھی باطل کی آمیزش نہیں ہوگی، ان کا مسکن بلند وبالا جنتیں ہوں گی۔

دوسرا اہم مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ رب العلمین کی وحدانیت کے تکوینی دلائل ہیں، ان میں سے اونٹ ہے جسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے، طویل قد وقامت کے باوجود ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے

لے جاتا ہے، اس کے صبر کا یہ حال ہے کہ دس دس دن تک پیاس برداشت کرلیتا ہے، اس کی غذا بہت سادہ ہوتی ہے، ایسی جھاڑیوں سے پیٹ بھر لیتا ہے جنہیں کوئی بھی چوپایہ کھانا گوارا نہیں کرتا، ان دلائل میں سے بلند و بالا آسمان ہے جو کسی ستون کے بغیر کھڑا ہے، زمین ہے جسے یوں بچھایا گیا کہ اس پر چلنا بھی آسان اور کھیتی باڑی بھی آسان، پہاڑ ہیں جو زمین کو زلزلوں کی زد میں آنے سے بچاتے ہیں۔ منکرین توحید کو ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے بعد اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ کے ذمہ صرف نصیحت کردینا ہے، آپ اپنی ذمہ داری ادا کردیجئے پھر ان کا معاملہ اور حساب ہم پر چھوڑ دیجئے۔

سورۃ الفجر

سورۂ فجر مکی ہے، اس میں ۳۰ آیات ہیں، اس سورت کی ابتداء میں اس پر چار قسمیں کھائی گئیں ہیں کہ کفار پر اللہ کا عذاب واقع ہوکر رہے گا، اس کے بعد سورۂ فجر میں تین مضامین نمایاں طور پر مذکور ہیں۔

1: قوم عاد، ثمود اور فرعون جیسے متکبروں اور فسادیوں کے قصے اجمالی طور پر ذکر کئے گئے ہیں جو اپنی سرکشی اور جرائم کی وجہ سے اللہ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ (۶-۱۴)

2: اللہ کی سنت اور دستور یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں انسان کو خیر وشر، فقر وغنی اور صحت و بیماری جیسی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے، انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ اپنے رب کے فضل واحسان کا شکر ادا نہیں کرتا اور اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ مال کی محبت میں بڑا حریص ہے، اس کا پیٹ بھرتا ہی نہیں۔ (۱۵-۲۰)

3: قیامت کے دن جو زلزلے اور ہولناک حالات پیش آئیں گے ان کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ انسان دو قسموں میں تقسیم ہوجائیں گے، شقی لوگ اللہ کے غضب کے حقدار ہوں گے اور نفسِ مومن، جسے نفسِ مطمئنہ کہا گیا ہے اسے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کے لئے کہا جائے گا۔ (۲۱-۳۰)

سورۃ البلد

سورۂ بلد مکی ہے، اس میں ۲۰ آیات ہیں، اس سورت کا موضوع انسان کی سعادت اور شقاوت ہے، سورت کی ابتداء میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی اس کی زندگی محنت ومشقت اور جفاکشی سے عبارت ہے، کبھی فقر وفاقہ، کبھی بیماری اور دکھ، کبھی حوادث اور آلام، پھر بڑھاپا اور موت، قبر کی تاریکی اور منکر نکیر کے سوالات، قیامت اور اس کی ہولناکیاں غرضیکہ ابتداء سے انتہا تک مشقت ہی مشقت! (۱-۴)

اس کے بعد ان کفار کا تذکرہ ہے جنہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا، وہ فخر وریا کی نیت سے اموال خرچ کرتے تھے، ایسے لوگوں کو آنکھوں، ہونٹوں، زبان اور ہدایت جیسی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں (۵-۱۰) پھر قیامت کے شدائد و مصائب کا تذکرہ ہے جن سے ایمان اور عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز چھٹکارا نہیں دے سکتی، سورت کے اختتام پر ان لوگوں کے لئے کامیابی کا راستہ بیان کیا گیا ہے یعنی ایمان باللہ، ایک دوسرے کو صبر کی اور آپس میں رحم کرنے کی

وصیت۔

سورۃ الشمس

سورۂ شمس مکی ہے، اس میں ۱۵ آیات ہیں، اس سورت کا اصل مقصود نیکیوں کی ترغیب اور معاصی سے بچاؤ اور تحذیر ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں تکوینی مخلوقات میں سے سات ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو سب کی سب اللہ کی قدرت اور وحدانیت کے آثار ہیں یعنی سورج، چاند، دن، رات، آسمان، زمین اور نفس انسانی، ان چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنے رب سے ڈرے اور اپنے نفس کا تزکیہ کرلے تو وہ کامیاب ہوجاتا ہے اور اگر اس کی تربیت سے غفلت اختیار کرے اور اس کو گندگی میں پڑا رہنے دے تو ناکام ہوجاتا ہے۔ (۱-۱۰)

اللہ نے انسان کے اندر نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت رکھی ہے، اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کونسی صلاحیت کو بروئے کار لاتا ہے، اس تفصیل کے بعد یہ سورت ہمارے سامنے مثال اور نمونہ کے طور پر قوم ثمود کا قصہ بیان کرتی ہے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا بلکہ اسے معاصی کا عادی بنادیا جس کی وجہ سے وہ ہلاکت کے مستحق ہوگئے۔

سورۃ الیل

سورۂ لیل مکی ہے اس میں ۲۱ آیات ہیں، اس سورت کا موضوع انسانوں کے مختلف قسم کے اعمال اور جد وجہد ہے جب اعمال اور جہد وسعی کا رخ مختلف ہے تو اس کے نتائج بھی مختلف برآمد ہوتے ہیں، اس کی ابتدائی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا ہے کہ اے انسانو! تمہاری سعی مختلف ہے کوئی متقی ہے اور کوئی شقی ہے، کوئی مومن ہے اور کوئی کافر، کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور کوئی بخل کرتا ہے، کوئی اللہ سے ڈرنے والا ہے اور کسی نے بے نیازی اختیار کر رکھی ہے، کوئی بھلائی کی بات کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی تکذیب کرتا ہے، انسانوں میں سے جو کوئی اپنے لیے جس قسم کی راہ کا انتخاب کرتا ہے، ہم اس راہ پر چلنا اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ (۱-۱۰)

سورت کے اختتام پر بتایا گیا کہ اہلِ ایمان کو رب تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے بچالے گا اور اس کے لیے ایک مومن صالح کا قصہ بیان کیا ہے جو اپنا مال صرف رضاءِ الٰہی کی خاطر خرچ کرتا تھا، تمام تفاسیر میں ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کا مال جہاد کی تیاری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں خرچ ہوتا تھا جو قبولِ اسلام کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

سورۃ الضحیٰ

سورۂ ضحیٰ مکی ہے، اس میں ۱۱ آیات ہیں، اس سورت کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے اور اس میں چار مضامین بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے۔ (۱-۳) آپ کے مخالفین اگر حسد اور دشمنی کی بناء پر ایسی باتیں کرتے ہیں تو قطعاً

جھوٹ بولتے ہیں۔

۲۔آپ کو دو عظیم بشارتیں سنائی گئی ہیں پہلی یہ کہ آپ کا مستقبل، حال موجود سے بہتر ہوگا یا یہ کہ آپ کی آخرت، دنیا سے بہتر ہوگی اور یہ کہ اللہ آپ کو دنیا اور آخرت میں اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

۳۔پھر اللہ نے اپنے تین احسانات یاد دلائے ہیں، آپ یتیم تھے ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا، آپ دین سے بے خبر تھے ہم نے آپ کو اس کا راستہ دکھایا، آپ تنگدست تھے ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔(۶-۸)

۴۔ان تین نعمتوں کے مقابلے میں آپ کو تین وصیتیں کی گئیں، گویا شکر کی تلقین کی گئی یعنی یتیم پر سختی نہ کیجئے، سائل کو جھڑ کیے نہیں اور اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کریں۔(۹-۱۱)

سورۃ الانشراح

سورۂ انشراح مکی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، اس سورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، آپ کی عظمت اور مقام کا بیان ہے۔اس سورت میں چار مضمون بیان ہوئے ہیں:

۱۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے تین احسانات: ۱۔شرح صدر یعنی اللہ نے آپ کے دل کو حکمت و نور سے بھر دیا اور ہر قسم کے گناہوں اور گندگی سے پاک کر دیا۔۲۔آپ سے اس بوجھ کو ہٹا دیا تھا جس نے آپ کی کمر کو بوجھل کر رکھا تھا یعنی نبوت اور رسالت کا بوجھ اور اس کے واجبات اور ذمہ داریوں کی ادائیگی۔۳۔آپ کے ذکر کو بلند کر دیا کہ جہاں جہاں اللہ کا ذکر وہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چاہے اذان ہو یا اقامت، تشہد ہو یا خطبہ(۱-۴)

۲۔اللہ نے مشکلات کو آسان کرنے اور پریشانیوں کو دور کرنے کا وعدہ فرمایا(۵-۶)

۳۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ تبلیغ و دعوت کی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس کی عبادت میں لگ جائیں اور اس میں اپنے آپ کو تھکا دیں۔

۴۔سب کچھ کرنے کے بعد اللہ پر توکل کریں اور تمام معاملات میں اسی کی طرف رغبت کریں۔

سورۃ التین

سورۂ تین مکی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، اس میں تین امور بیان ہوئے ہیں جن کا انسان سے اور اس کے عقیدے سے تعلق ہے: ۱۔نوع انسانی کی تکریم، اس کی تکریم کے مختلف پہلو ہیں، یہاں ان میں سے ایک پہلو کا بیان ہے، وہ یہ کہ انسان کو بہت خوبصورت پیدا کیا گیا ہے، یہ خوبصورتی جسمانی اور ظاہری شکل کے اعتبار سے بھی ہے اور عقلی و روحانی کمالات کے اعتبار سے بھی۔

۲۔جب انسان انسانیت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور ناشکرا پن کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے نیچوں سے بھی نیچے گرا دیا جاتا ہے، حیوانی اور شہوانی زندگی کو اپنا مقصد بنا کر وہ حیوانوں سے بھی زیادہ پستی میں جا گرتا ہے۔البتہ ایمان و عملِ صالح والے اس پستی سے بچے رہتے ہیں۔

۳۔ وہ اللہ جو پانی کے ایک قطرے سے ایسا خوبصورت انسان پیدا کرسکتا ہے وہ انسان کو دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے، ویسے بھی دوبارہ پیدا کرنا اور حساب وجزا اس کے حاکم اور عادل ہونے کا تقاضیٰ ہے۔

سورۃ العلق

سورۂ علق مکی ہے، اس میں ۱۹ آیات ہیں، اہل علم کہتے ہیں کہ سورۂ علق سے لے کر آخر تک جو چھوٹی چھوٹی سورتیں آئی ہیں ان میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کردیا گیا ہے۔ اس سورت کی پہلی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں، اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

ا۔ انسان کی تخلیق میں اللہ کی حکمت، اس نے قرأت اور کتابت کے ذریعے سے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ (۱-۵)

۲۔ مال و دولت کی وجہ سے اللہ کے حکموں کے سامنے سرکشی، اس کی نعمتوں کا انکار اور غفلت۔ (۶-۸)

۳۔ اس امت کے فرعون ابوجہل کا قصہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتا دھمکاتا تھا اور اللہ کی عبادت سے روکتا تھا۔ (۹-۱۹)

سورۃ القدر

سورۂ قدر مکی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، اس سورت کی ابتداء میں انسانوں پر اللہ کے عظیم احسان کا ذکر ہے جو کہ کتابِ مبین کو نازل کرنے کی صورت میں ہوا، اسی طرح اس سورت میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان ہوئی ہے، اس کی پہلی فضیلت یہ ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر ہے، دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس رات میں غروبِ آفتاب سے لیکر طلوعِ فجر تک فرشتے نازل ہوتے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ لیلۃ القدر میں نزولِ قرآن کا معنیٰ یہ ہے کہ اس رات میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔

سورۃ البینہ

سورۂ بینہ مدنی ہے، اس میں آٹھ آیات ہیں، اس سورت میں تین امور سے بحث کی گئی ہے:

ا۔ اہل کتاب کا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں موقف، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کررہے تھے لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا لیکن جب ایسا نہ ہوا تو انہوں نے آپ کی نبوت کو جھٹلا دیا، اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بیّنہ اور واضح حجت اور دلیل قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ یہ سورت دین وایمان کی بنیاد کی نشاندہی کرتی ہے اور وہ ہے اخلاص، کوئی عمل بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اخلاص کے معتبر نہیں، ہر نبی نے اپنی امت کو اس بنیاد کی دعوت دی۔ (۵)

۳۔ یہ سورت اشقیاء اور سعداء یعنی کافروں اور مؤمنوں دونوں کا انجام بیان کرتی ہے۔ (۶-۸)

سورۃ الزلزال

سورۂ زلزال مدنی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، مدنی ہونے کے باوجود اس کا موضوع اور مضامین مکی سورتوں جیسے ہیں، یہ سورت دو مقاصد پر مشتمل ہے۔ ا۔ اس میں اس زلزلے کی خبر دی گئی ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہوگا اور سارے انسان اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور زمین انسان کے اعمال پر گواہی دے گی۔ ۲۔ لوگ حساب وکتاب کے لئے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے پھر ان کے اعمال کے مطابق انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا جائے گا، بعض شقی ہوں گے اور بعض سعید اور ان میں سے ہر ایک اپنے چھوٹے بڑے اعمال کی جزا دیکھ لے گا۔

سورة العاديات

سورۂ عادیات مکی ہے، اس میں ۱۱ آیات ہیں، اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

ا۔ مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ انسان بڑا ناشکرا ہے اور اس کے ناشکرا ہونے پر خود اس کے اعمال گواہ ہیں۔ (۱-۷)

۲۔ انسان کی فطرت اور طبیعت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے، اس کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو دوسری کی تلاش کرتا ہے اور دوسری ہو تو تیسری تلاش کرتا ہے اور اس کے منہ کو مٹی کے سواء کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

۳۔ انسان کو ان اعمال صالحہ پر برانگیختہ کیا گیا ہے جو اسے اس وقت فائدہ دیں گے جب اسے حساب وجزا کے لئے پیش کیا جائے گا اور بندوں کے سینوں میں جو راز ہیں، آشکارہ کر دیئے جائیں گے۔

سورة القارعة

سورۂ قارعہ مکی ہے، اس میں ۱۱ آیات ہیں، اس سورت میں قیامت کی ہولنا کیوں سے ڈرایا گیا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو نظامِ کائنات میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوں گی جو انسان کو حیران اور ششدر کر دیں گی (۱-۵) سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا، کسی کی حسنات زیادہ ہوں گی اور کسی کی سیئات اور انہیں کے اعتبار سے انسان کے انجام کا تعین ہوگا۔

سورة التكاثر

سورۂ تکاثر مکی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو صرف دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں اور دنیا کا ایندھن جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں، ان کے انہماک کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ انہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے لیکن پھر اچانک موت آجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انہیں قصر سے قبر کی طرف منتقل ہونا پڑتا ہے، ان لوگوں کو ڈرایا گیا کہ قیامت کے دن تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا (۳-۴) پھر تم جہنم کو ضرور دیکھو گے اور تم سے اللہ کی نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ امن، صحت، فراغت، اکل وشرب، مسکن، علم اور مال و دولت جیسی نعمتوں کو کہاں استعمال کیا؟

سورة العصر

سورۂ عصر مکی ہے، اس میں ۳ آیات ہیں، یہ مختصر سی سورت اسلام کے عظیم اصولوں اور انسانی زندگی کے دستور کی وضاحت کرتی ہے۔ اسی سورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اس سورت میں تدبر کریں تو یہ سورت ان کی نجات کے لئے کافی ہوسکتی ہے، اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے زمانے کی قسم کھا کر فرمایا کہ سارے کے سارے انسان خسارے میں ہیں چاہے وہ مادی اور ظاہری اسباب سے مالا مال کیوں نہ ہوں، البتہ جو چار صفات سے متصف ہوں گے وہ خسارے سے بچ جائیں گے یعنی ایمان، عملِ صالح، ایک دوسرے کو حق کی تلقین وتبلیغ اور صبر کی تلقین۔

سورۃ الہمزہ

سورۂ ہمزہ مکی ہے، اس میں ۹ آیات ہیں، اس سورت میں انسان کی تین بیماریوں کی نشاندہی کی گئی ہے، پہلی بیماری ہے پسِ پشت کسی کے عیب بیان کرنا، اسے غیبت بھی کہتے ہیں اور غیبت بدترین گناہ ہے۔

دوسری بیماری ہے کسی کو اس کے سامنے اس کے حسب ونسب، دین ومذہب اور شکل وصورت کا طعنہ دینا، اس کا مذاق اڑانا، یہ منافقین کی عادت تھی، وہ غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یوں ہی یہود ونصاریٰ دینِ حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تیسری بیماری ہے حب دنیا جس میں مبتلا ہوکر انسان حقوق اللہ بھی بھول جاتا ہے اور حقوق العباد بھی بھول جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ بقول حضرت میاں نور محمد صاحب رحمہ اللہ کے ؎

بھر رہا ہے دل میں حُبِ جاہ ومال
کب سماوے اس میں حُبِ ذوالجلال

سورت کے اختتام پر ان اشقیاء کا انجام بتلایا گیا ہے جو ان بیماریوں میں مبتلا ہوں گے۔ (۸-۵)

سورۃ الفیل

سورۂ فیل مکی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، اس سورت میں وہ مشہور قصہ بیان ہوا ہے جو اصحابِ فیل کے قصہ کے نام سے مشہور ہے، جب صنعاء کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لیکر کعبہ پر چڑھائی کی تھی، اس کے ساتھ کم وبیش ساٹھ ہزار جنگجو تھے، قریش اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے، اللہ نے چھوٹے چھوٹے پرندے کنکریاں دیکر بھیج دیئے، ان کنکریوں نے جدید بموں کی طرح تباہی مچادی، یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ عنقریب کعبہ کا حقیقی محافظ پیدا ہونے والا ہے۔

سورۃ القریش

سورۂ قریش مکی ہے، اس میں ۴ آیات ہیں، اس سورت میں اللہ نے اپنے دو بڑے احسانات بیان فرمائے ہیں۔ پہلا یہ کہ بلا خوف وخطر گرمیوں میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور یہ تجارتی سفر ان کا بہت بڑا ذریعۂ معاش تھے۔ دوسرا احسان یہ کہ انہیں بلد حرام میں امن، اطمینان اور تحفظ کی نعمت

حاصل تھی۔ یہ دو نعمتیں ذکر فرما کر انہیں سمجھایا گیا ہے کہ خود فریبی، خود پسندی اور قوم پرستی سے باز آجاؤ اور بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں نوازا ہے۔

سورۃ الماعون

سورۂ ماعون مکی ہے، اس میں ۷ آیات ہیں، اس سورت میں اختصار کے ساتھ انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر ہے۔

۱۔ وہ کافر جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، یتیموں کے حقوق دبا لیتے ہیں اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے ہیں، غرباء اور مساکین کو نہ خود کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں گویا کہ نہ تو اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ صحیح ہے اور نہ اللہ کے بندوں کے ساتھ۔ دوسرا گروہ منافقین کا ہے ان کی تین صفاتِ قبیحہ یہاں بیان کی گئی ہیں: پہلی یہ کہ وہ نماز سے غافل ہیں، یہ غفلت دو اعتبار سے ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ نماز ادا ہی نہ کی جائے۔ دوسری یہ کہ نماز تو پڑھی جائے مگر نہ وقت کی پابندی کا لحاظ ہو اور نہ خشوع وخضوع ہو۔ دوسری صفت یہ کہ وہ دکھاوے کے لئے اعمال کرتے ہیں۔ تیسری صفت یہ کہ وہ ایسے بخیل ہیں کہ عام ضرورت کی چیز دینے سے بھی انکار کردیتے ہیں۔

سورۃ الکوثر

سورۂ کوثر مکی ہے، اس میں ۳ آیات ہیں، اس سورت میں تین مقاصد بیان ہوئے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا فضل واحسان کہ اس نے آپ کو کوثر عطا کی، کوثر جنت کی وہ نہر ہے جہاں قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو جام بھر کر پلائیں گے چونکہ کوثر کا معنیٰ خیر کثیر ہے اس لئے نبوت، کتاب، حکمت، علم، حقِ شفاعت، مقامِ محمود، معجزات اور قرآن کریم کو بھی کوثر قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کوثر جیسی عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ نماز کی پابندی فرمائیں اور اللہ کے لئے قربانی دیں۔

۳۔ آپ کو یہ بشارت سنائی گئی کہ آپ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں گے اور ان کا نام ونشان مٹ جائے گا چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

سورۃ الکافرون

سورۂ کافرون مکی ہے، اس میں ۶ آیات ہیں، یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی کہ آؤ! ''کچھ لو اور کچھ دو'' کی بنیاد پر ہم آپس میں مصالحت کریں، ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کرلیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرلیا کریں گے، اس سورت نے ایمان وکفر، موحدین اور مشرکین کے درمیان حدِ فاصل قائم کردی اور بتا دیا کہ توحید اور شرک دو متصادم نظام ہیں، دونوں میں مصالحت کی کوئی صورت نہیں، یوں کفار کی امیدوں کا خاتمہ کردیا اور ہمیشہ کیلئے واضح کردیا کہ ایمان میں کفر کی ملاوٹ نہیں ہوسکتی

سورۃ النصر

سورۂ نصر مدنی ہے، اس میں ۳ آیات ہیں ۔ یہ سورت فتحِ مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ سورت ۱۰ھ میں نازل ہوئی، اس کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ۷۰ ایام زندہ رہے، جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''مجھے میری موت کی اطلاع دی گئی ہے'' اس لئے کہ حضور کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا، جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تھا تو اسے قبول کرنے والے اکا دکا تھے لیکن اب لوگ جماعت در جماعت اور قبیلہ در قبیلہ دینِ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اس لئے آپ کو حکم دیا گیا کہ ان فتوحات اور نعمتوں پر اللہ کا شکر اور اس کی تسبیح اور عظمت بیان کریں ۔

سورۃ اللہب

سورۂ لہب مکی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، یہ سورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مگر بدترین دشمن ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا انجام بتلاتی ہے، اس شخص کو اپنے مال اور اولاد پر بڑا غرور تھا لیکن مال و اولاد اسے اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے ۔ یہ دونوں میاں بیوی ذلت آمیز اور عبرتناک انجام سے دو چار ہوئے ۔

سورۃ الاخلاص

سورۂ اخلاص مکی ہے، اس میں ۴ آیات ہیں، یہ سورت اسلام کے بنیادی عقیدہ یعنی توحید سے بحث کرتی ہے ۔ توحید کی تین قسمیں ہیں: ۱۔توحیدِ ربوبیت یعنی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق اللہ ہے، اس کا اقرار کافر بھی کرتے ہیں ۔۲۔توحید الوہیت یعنی بندہ جو بھی عبادت کرے خواہ دعا ہو یا نذر و قربانی تو وہ صرف اللہ کے لئے ۔مشرکین غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے مگر اس لئے تا کہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔۳۔توحیدِ ذات اور اسماء و صفات ۔توحید کی یہ تیسری قسم ایسی ہے کہ انسان نے اکثر اس میں ٹھوکر کھائی ہے، غور کیا جائے تو سورتِ اخلاص میں زیادہ زور توحید کی اسی قسم پر ہے ۔

سورۃ الفلق

سورۂ فلق مدنی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، اس سورت میں اللہ نے اپنی ایک صفت بیان فرما کر چار چیزوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے ۔ ۱۔مخلوق کے شر سے ۔۲۔اندھیرے کے شر سے، عام طور پر چور، شیاطین، جنات، حشرات اور ساحر اندھیرے ہی میں اپنا کام دکھاتے ہیں ۔۳۔پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے جو کہ جادو اور ٹونے کرتی ہیں ۔۴۔حاسد کے شر سے ۔

سورۃ الناس

سورۂ ناس مدنی ہے، اس میں ۶ آیات ہیں، یہ معوذتین میں سے دوسری سورت ہے اور ان دونوں سورتوں کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں ۔صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کے بارے میں فرمایا:

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج ایسی دو سورتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی کوئی مثال نہیں یعنی اللہ کی پناہ مانگنے میں یہ دونوں سورتیں بے مثال ہیں۔“ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دو سورتوں سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں، یہ جسمانی اور روحانی آفات دور کرنے میں بے حد موثر ہیں۔

قرآن کے آخر میں ان دو سورتوں کے لانے سے اور سورۂ فاتحہ شروع کرنے میں بڑی گہری مناسبت ہے، سورۂ فاتحہ میں بھی اللہ کی مدد مانگی گئی تھی اور ان دونوں سورتوں میں بھی یہی مضمون ہے۔ گویا کہ اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ بندے کو ابتدا سے انتہا تک اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے اور اس سے مدد مانگتے رہنا چاہئے۔

سورۂ ناس میں اللہ کی تین صفات مذکور ہیں: ربوبیت، مُلک اور الوہیت۔ یہ تین صفات ذکر فرما کر ایک چیز کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے وسوسہ ڈالنے والے کا شر۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وسوسہ کتنی خطرناک اور مہلک بیماری ہے، وسوسہ شیطان بھی ڈالتا ہے اور انسان بھی، آج کا سارا مغربی میڈیا مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کے حوالے سے وسوسہ اندازی میں مصروف ہے اور وسوسے کی بیماری بہت عام ہو چکی ہے، اس لئے کثرت کے ساتھ ان دو سورتوں کو وردِ زبان بنانے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ نقطہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سورۂ فلق میں ایک صفت ذکر فرما کر چار آفات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہاں چار صفات ذکر فرما کر ایک آفت کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے کہ پہلی سورت میں نفس اور بدن کی سلامتی مطلوب ہے جبکہ دوسری سورت میں دین کے ضرر سے بچنا اور اس کی سلامتی مطلوب ہے اور دین کا چھوٹے سے چھوٹا نقصان دنیا کے بڑے سے بڑے نقصان سے زیادہ خطرناک ہے۔

اگر ہم نے قرآن سے سچا تعلق قائم کئے رکھا اور اسے پڑھنے، سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے سارے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کرتے رہے تو ان شاء اللہ! ہمارا اور ہماری آنے والی نسلوں کا دین و ایمان محفوظ رہے گا۔